قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوا عَنِّی وَلَوْ آیَۃً (رواہ البخاری)

سلسلۂ تبلیغ
٦٢

بار اوّل
٣٣٠٠

وعظ

التہذیب ③

(اصلاحِ نفس کا طریقہ)

از افاداتؒ
حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی
مولانا خلیل احمد تھانوی

شعبۂ نشر و اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور ۱۸
فون کامران بلاک ۴۴۸۰۰۶۰-۵۴۲۲۲۱۳ پرانی انارکلی ۷۳۵۳۷۲۸

جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ　ستمبر ۱۹۹۹ء

یہ وعظ حضرت والاؒ نے ۱۴ رمضان المبارک سنہ ۱۳۳۲ھ کو ۳ گھنٹہ ۲۵ منٹ بیٹھ کر (رمضان المبارک کی وجہ سے) "تراویح اور قرآن کے حقوق" کے موضوع پر بیان فرمایا۔

اہل علم وطلبہ کم، عوام زیادہ تھے۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۵۰۰ تھی۔

مولوی محمد عبداللہ گنگوہیؒ نے اسے قلم بند فرمایا۔

التہذیب - ۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ و نستغفرہ ونؤمن بہ و نتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک ونشھد ان سیدنا و مولانا محمداً عبدہ ورسولہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

اما بعد: فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم . بسم اللہ الرحمن الرحیم. لیسوا سواءً من اھل الکتاب امۃ قائمۃ یتلون آیات اللہ آناء اللیل وھم یسجدون[۱].

بیان وعظ کی وجہ

آج سے دو جمعہ قبل ایک مبسوط[۲] تقریر میں بیان کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے خاص خاص حکمتوں کے واسطے دو قسم کی عبادتیں مشروع[۳] فرمائی ہیں۔ ایک روزہ اور دوسرے تراویح، جس میں قرآن مجید پڑھا جاتا ہے اور یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ وہ مصلحتیں اور حکمتیں جب مرتب ہوتی ہیں جبکہ ان دونوں عبادتوں کے

---

(۱) آل عمران آیت: ۱۱۳- یہ سب برابر نہیں اہل کتاب میں سے ایک جماعت وہ بھی ہے جو قائم ہیں، اللہ کی آیتیں اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور وہ نماز بھی پڑھتے ہیں (بیان القرآن) (۲) مفصل اور جامع تقریر (۳) فرض فرمائی ہیں

حقوق ادا کیے جاویں اور ہر ایک کے جدا جدا حقوق ہیں- روزہ کے حقوق ادا کرنے سے اس کی غایات خاصہ مرتب ہوتی ہیں[۱] اور کچھ حقوق تراویح کے ہیں اور چونکہ اس میں قرآن مجید خواہ پورا ختم یا اس کے بعض اجزاء[۲] پڑھے جاتے ہیں، اس قرآن خوانی کے اعتبار سے بھی اس تراویح کے کچھ حقوق ہیں اور اس کے منافع جب ہی مرتب ہوں گے[۳] کہ وہ حقوق ادا کیے جاویں یہ مضمون تو دو جمعہ پہلے بیان کیا گیا تھا اور اس سے پہلے جمعہ میں مضمون سابق کی تتمیم اور تکمیل کے لیے روزہ کے منکرات کو بیان کیا تھا[۴] آج وہ حقوق بیان کرنا ہے کہ جو متعلق نماز یعنی تراویح کے ہیں، اور نیز روزہ کی طرح ان منکرات[۵] کا ذکر بھی ضروری ہوگا کہ جو لوگوں نے اپنی طرف سے اس میں شامل کر لیے ہیں- اس میں بعض منکرات و حقوق وہ ہوں گے جن کا تعلق مطلق نماز سے ہے اور بعض وہ ہوں گے جو تراویح کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں- غرض بعض مضامین وہ ہوں گے جو خاص رمضان المبارک کے متعلق ہیں اور بعض عام- اسی طرح تراویح کے ضمن میں جو قرآن مجید کے متعلق حقوق و منکرات بیان کیے جاویں گے بعض ان میں مطلقاً[۶] قرآن پڑھنے کے متعلق ہوں گے اور بعض وہ مضامین ہوں گے جو رمضان المبارک سے علاقہ رکھتے ہوں گے یہ حاصل ہوگا آج کے بیان کا-

---

(۱) جب روزہ اپنے حقوق کے ساتھ رکھا جاتا ہے تو جس غرض کے لیے روزہ فرض کیا گیا ہے وہ حاصل ہوتی ہے (۲) بعض سپارے (۳) فائدہ جب ہی ہوگا (۴) اس سے پہلے مضمون کو مکمل اور تمام کرنے کے لیے روزہ میں ممنوع چیزوں کا ذکر کیا تھا (۵) بری باتوں (۶) صرف قرآن پڑھنے سے متعلق ہیں

شریعت میں فرق مراتب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے

یہ بات بھی اول ہی سمجھ لینے کے قابل ہے کہ اگرچہ دونوں قسم کے حقوق بیان کیے جائیں گے۔ تراویح کے بھی اور قرآن کے بھی، لیکن یہ سمجھنا چاہیئے کہ مقصود اعظم ان دونوں میں کیا ہے اس لیے کہ شریعت میں فرق مراتب[1] کا معلوم کرنا اور اس کا لحاظ ہر شے[2] میں رکھنا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔ یعنی جیسے عمل مقصود ہے اسی طرح بعض علوم بھی مقصود ہیں، پھر ان کی مقصودیت دو طرح سے ہے۔ بعض علوم تو عمل کے لیے مطلوب ہیں اور بعض علوم وہ ہیں جو باعتبار علم ہی کے مقصود ہوتے ہیں۔

پس سمجھنا چاہیئے کہ قرآن مجید کے اندر دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو نفس قراءات[3] کہ جس کے بدون[4] نماز نہیں ہوتی، اس کے اعتبار سے جو حقوق ہوں گے وہ تو حقوق صلوۃ میں مندرج[5] ہوجاویں گے۔ اس کے اعتبار سے فرق بیان کرنا مقصودیت نماز و مقصودیت قرآن میں مقصود نہیں ہے۔ دوسرے رمضان کی تراویح کے اندر جو قرآن ختم کیا جاتا ہے جس کے بدون[6] نماز ہوجاتی ہے اس کے اعتبار سے فرق مذکور بیان کرنا منظور ہے۔

مومن اور منافق کی مثال

خلاصہ یہ کہ قرآن مجید جو نماز تراویح میں ختم کیا جاتا ہے اس میں مقصود کیا ہے تراویح مقصود ہے یا قرآن مجید اور وجہ اس فرق بیان کرنے کی یہ ہے کہ اس کا اثر عمل پر پڑتا ہے، چنانچہ اکثر لوگوں کا گمان یہ ہے کہ مقصود ختم قرآن ہے۔

---

(۱) احکام کے مرتبوں میں باہم فرق کا معلوم کرنا (۲) چیز (۳) صرف قراءت (۴) بغیر (۵) شامل ہوجائیں گے (۶) جس کے بغیر

اسی واسطے رمضان المبارک میں نماز کی بری گت بنتی ہے[1] حتیٰ کہ اس کا اثر فرض پر بھی پڑتا ہے کہ وقت سے پہلے یا مستحب وقت سے پہلے فرض عشاء کے ہوتے ہیں اس لیے کہ اہتمام اس کا ہوتا ہے کہ جلدی ختم ہوجائے تو جلدی مسجد سے بھاگو۔ صاحبو! مسجد میں جی نہ لگنا بری علامت ہے سلف صالحین میں سے کسی کا قول ہے۔ المومن فی المسجد کالسمک فی الماء یعنی مومن مسجد میں ایسا ہے جیسے مچھلی پانی میں۔ جیسے مچھلی کو پانی سے الگ کرنے میں تکلیف ہوتی ہے اور پانی میں رہنے سے اس کی حیات[2] ہے۔ ایسے ہی مومن کا حال مسجد کے ساتھ ہے، اور المنافق فی المسجد کالطیر فی القفس یعنی منافق مسجد میں ایسا ہے جیسے پرندہ پنجرے میں یعنی جیسے پرندہ پنجرے میں پھڑ پھڑاتا ہے اور چاہتا ہے کہ جلدی نکل جاؤں۔ ایسے ہی منافق کا بھی دل مسجد سے اکتاتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی طرح جلدی خلاصی ہو۔ اور بہانہ یہ ہوتا ہے کہ جلدی سوئیں گے لیکن یہاں سے جا کر گھنٹوں حقے پیتے ہیں۔

نماز میں نیند آنیکی وجہ

اور ایسے لوگوں نے ایک لطیفہ یاد کر رکھا ہے۔ کہ کسی بزرگ سے کسی نے پوچھا تھا کہ نماز میں نیند کیوں آتی ہے اور ناچ میں کیوں نہیں آتی۔ فرمایا کہ پھولوں پر نیند آیا کرتی ہے اور کانٹوں پر نہیں آتی۔ نماز میں روح کو راحت ہوتی ہے اس لیے نیند آجاتی ہے اور ناچ چونکہ خلاف شریعت ہے اس لیے اس میں اگر کسی جگہ ابتلاء ہوجائے تو روح کو کلفت[3] ہوتی ہے اس لیے نیند نہیں آتی۔ گویا ان حضرات کا مطلب یہ ہے کہ ہم بھی اس قابل ہیں کہ نماز میں ان کو راحت ہوتی

---

(۱) بری حالت بنائی جاتی ہے (۲) زندگی (۳) تکلیف

ہے۔ یہ لطیفہ کسی صاحبِ حال کے معالجہ کے اعتبار سے ٹھیک ہوگا لیکن ہم سے والوں[۱] کے حق میں تو درست نہیں ہم لوگوں کے اندر اس کی وجہ اور ہے وہ یہ ہے کہ جس شئے کے اندر ہمارا جی لگا کرتا ہے تو اس میں ہم سر تا پا مشغول[۲] ہوجاتے ہیں اور تمام حواس بھی اسی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں اس لیے نیند اڑجاتی ہے اور نماز میں تمام حواس اس طرف متوجہ نہیں ہوتے اور نیند بھی اڑانے والی توجہ ہی تھی اور کوئی اور کام بھی اس وقت نہیں ہوتا اس لیے نیند آجاتی ہے۔

استغراق کی حقیقت

باقی ان بزرگ نے کسی خاص شخص کی حالت کے اعتبار سے فرمایا ہے اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ سالکین کو ذکر میں یکسوئی ہوتی ہے اور بعض مرتبہ وہ یکسوئی اس قدر بڑھتی ہے کہ وہ نیند تو نہیں ہوتی مگر مشابہ نیند کے اس بات میں ہوتی ہے کہ جیسے نائم[۳] اس عالم سے غیبت ہوجاتی ہے ایسے ہی اس ذاکر کو بھی ہوجاتی ہے اس حالت کا نام استغراق ہے۔ چنانچہ اس کے نیند کے مشابہ ہونے پر مجھے حکایت یاد آئی کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ تھانہ بھون میں رہ کر ذکر و شغل فرمایا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ حضرت اپنے حجرہ[۴] میں مراقب بیٹھے تھے حضرت حاجی صاحب نے ایک سوار فوجی کو مہمان آئے تھے ارشاد فرمایا کہ جاؤ مولانا کو بلالاؤ انہوں نے آکر دیکھا تو حضرت کی گردن جھکی ہوئی تھی اور آنکھیں بند بیچارہ فوج کا آدمی اس کو کیا خبر یہ کیا کر رہے ہیں جاکر عرض کیا کہ حضرت وہ تو ٹُول[۵] رہے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب سمجھ گئے کہ مشغول[۶] ہیں۔ پھر نہ بلایا اور

---

(۱) ہم جیسوں کے حق میں (۲) مکمل طور پر مشغول (۳) جیسے سونے والا اس دنیا سے بے خبر ہوتا ہے ایسے ہی ذاکر بھی (۴) چھوٹا سا کمرہ (۵) نیند میں جھوم رہے ہیں (۶) ذکر کرنے میں مشغول ہیں

حضرت کا مولانا نہ بلانے کا راز ایک بزرگ کے ایک ملفوظ سے معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ جو شخص مشغول مع اللہ[۱] کو اپنی طرف مشغول[۲] کرے اور کہ المقت فی الوقت. یعنی اس کو اسی وقت اللہ تعالیٰ کی ناراضی لاحق ہوتی ہے بڑی زیادتی اور بے احتیاطی کرتے ہیں وہ لوگ جو کسی مشغول باللہ[۳] کو اپنی طرف متوجہ کریں۔

بزرگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی بری حرکتیں

اکثر لوگ بزرگوں کے پاس جاتے ہیں وہ ان کو مشغول پاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کو اپنی طرف متوجہ کریں تو ایسی حرکتیں کرتے ہیں جس سے دل بٹ جائے۔ کیا کرتے ہیں بعضے تو السلام علیکم پکار کر کرتے ہیں یاد رکھو جو شخص قرآن مجید پڑھتا ہو یا ذکر و شغل میں مشغول ہو اس کو سلام مت کرو۔ جا کر دیکھو کہ وہ کس حالت میں ہیں اگر سلام کا موقع ہو تو سلام کرو ورنہ چپکے سے ایسے طور سے بیٹھ جاؤ کہ ان کو تمہارے آنے کی بھی خبر نہ ہو۔

جب میں جلسہ دیوبند میں گیا تو علیل تھا بلکہ ارادہ بھی جانے کا نہ تھا۔ ایک بار نماز کے وقت باجازت[۴] امام نماز پڑھانے کے لیے مصلے پر جانے لگا راہ[۵] میں وہاں مصافحوں کا جو ہجوم ہوا مصافحے کرتا کرتا حیران ہو گیا خیر جوں توں[۶] کر کے مصلے کے قریب پہنچ گیا تو دوسری صف میں سے ایک شخص نے نکل کر ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا اور مصافحہ کر کے چھوڑ دیا ایک بار وطن میں بعد نماز کے کچھ اوراد[۷] مصلے پر بیٹھا پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص سپاہی سا آ کر کھڑا ہو گیا اور باواز بلند

---

(۱) جو شخص اللہ کے ذکر میں لگا ہوا ہو (۲) اپنی طرف سے متوجہ کرے (۳) جو اللہ کے ذکر میں لگا ہو ہو (۴) امام صاحب کی اجازت سے (۵) راستہ میں (۶) جیسے تیسے کر کے (۷) وہ نماز پر بیٹھا وظیفہ پڑھ رہا تھا

پشت کی طرف کہا کہ مصافحہ - میں نے کہا وظیفہ - اور بعضے کیا کام کرتے ہیں حلق سے کام لیتے ہیں یعنی کھانستے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم آئے ہیں وظیفہ چھوڑ کر ہم سے باتیں کرو بعض ہاتھوں کی آہٹ[1] سے کام لیتے ہیں بعضے پاؤں کو زمین پر مارتے ہیں، جو شخص کہ مشغول ہو اس کو جب معلوم ہوتا ہے کہ کوئی میرا منتظر ہے اس کا دل بٹ جاتا ہے اور دل پر بوجھ ہوتا ہے اور بعضے جو بہت ادب سے کام لیتے ہیں وہ چپکے سے ایک جگہ بیٹھ جاتے ہیں مگر بیٹھتے ہیں ایسی جگہ کہ اس مشغول شخص کی نظر بار بار پڑے یاد رکھو اگر انتظار کرنا ہو تو ایسی جگہ بیٹھو جہاں اس کو خبر بھی نہ ہو- جب دیکھو کہ اب فارغ ہو گئے ہیں اس وقت ملو- ہاں خدا نخواستہ اگر کوئی مرتا ہو یا کوئی کنویں میں گرتا ہو تو اس وقت وظیفہ تو الگ رہا فرض نماز کا توڑ دینا واجب ہے لیکن غضب تو یہ ہے کہ معمولی بات کے لیے آکر حرج کراتے ہیں- ایک شخص میرے پاس آیا میں کچھ پڑھ رہا تھا میں اٹھ کر گیا کہ کیا ہے کہو کہنے لگا تیج (تعویذ) چاہیئے پوچھا کا ہے کا- کہا بکھار آوے (بخار آتا ہے) لیجیے ایک تعویذ کے واسطے اس بندہ خدا نے میرا حرج کیا-

میں صبح کو اپنی مصلحت سے جنگل چلا جاتا ہوں بعض حضرات وہاں ہی پہنچتے ہیں بعض حضرات ایک اور حرکت کرتے ہیں- وہ وہ ہیں جو ذرا بزرگ ہیں وہ یہ کرتے ہیں کہ بیٹھ تو جاتے ہیں الگ ہی لیکن قلب[2] سے اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں- یاد رکھو کہ اگر کیسا شیخ صاحب کشف نہ ہو تو اس کا کچھ حرج نہیں اور اگر وہ صاحب کشف ہے تو اس کو ادراک[3] ہوگا کہ کوئی شخص میری طرف متوجہ ہے اس کو تکلیف ہوگی-

ایک شخص ہمارے حضرت حاجی صاحب کے یہاں آئے اس وقت

(۱) ہاتوں کی ہلکی سی آواز (۲) دل سے (۳) اس کو معلوم ہو جائے گا

حضرت بالا خانہ[1] پر تشریف رکھتے تھے۔ وہ شخص حضرت کا خیال کرکے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں دیکھتے کیا ہیں کہ حضرت آ رہے ہیں۔ اس طرف نظر اہل تحقق کی پہنچتی ہے وہ اس سے بچتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک شخص یہاں آئے اور آکر ٹٹولنے لگے یعنی مراقب[2] ہوئے کہ دیکھیں حضرت کی نسبت کس درجہ کی ہے۔ حضرت سیدھے ہو بیٹھے اور یہ آیت تلاوت فرمائی: یایها الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا الخ[3] اور فرمایا قال اللہ تعالی: لاتجسسوا[4] اور فرمایا کہ یہ بھی تجسس حرام کے اندر داخل ہے۔ یہ چوروں کی طرح گھسنا کہاں جائز ہے اور فرمایا کہ میاں جو چھپانے والے ہوتے ہیں ہزار ٹکریں[5] مارا کرو وہ پتہ بھی نہیں دیتے۔ انہوں نے فوراً پاؤں پکڑ لیے۔

قلبی تصرف کرکے ہدیہ لینے کی حقیقت

اسی طرح تصرف سے کسی سے کچھ وصول کرنا یہ بھی حرام ہے بعض اہل تصرف اس کو بزرگی سمجھتے ہیں کہ کسی کی طرف متوجہ ہوگئے کہ یہ شخص ہم کو پانچسو روپیہ دے گا تصرف کے اندر یہ اثر ہے کہ اس شخص کا قلب مغلوب ہو کر متاثر

---

(۱) گھر کے اوپر کے پوشن میں تھے (۲) دل سے متوجہ ہوئے (۳) النور آیت: ۲۷۔ اے ایمان والو تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کرلو (۴) اور تجسس نہ کرو (۵) جتنی چاہے کوشش کرلو

ہوجاتا ہے اور وہ وہی کام کرتا ہے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حلال ہے، حالانکہ حرام[1] ہے، اور ایسا ہی حرام ہے جیسے کسی کو مار کر کچھ چھین لیا جائے اور ایسے دیے ہوئے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بعد میں آدمی پچھتاتا ہے۔

صاحب تصرف فقیر کی حکایت

ایک فقیر صاحب کا تصرف[2] تھا وہ کچھ پڑھ کر پیشانی پر مٹی لگا لیتا تھا پھر جس بات کا وہ خیال کرتا تھا اسی طرح لوگ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ ایک انگریز کے پاس گیا اس انگریز نے اس کی صورت دیکھتے ہی خانساماں کو حکم دیا کہ اس کو سو

---

(۱) شبہہ:۔ فقہی روایت بھی اس میں اگر کوئی مل جائے تو بہتر ہے ورنہ بظاہر فتوے کی رو سے جائز معلوم ہوتا ہے گو تقوے کے خلاف ہو اور اگر ناجائز ہو تو کسی صاحب ریاضت کو دیکھ کر جو ایک بے انتہا کشش اس کی طرف ہوتی ہے اگرچہ وہ صاحب ریاضت تصرف نہ کرے اور اس کشش کے غلبہ سے کچھ وہ ان کی خدمت کرے اور جب وہ اثر نہ رہے تو پچھتائے۔ اس لیے کہ اس کی محبت تو قلب میں راسخ نہیں ہے تو چاہیئے یہ بھی ناجائز ہو ورنہ مابہ الفرق کیا ہے ۱۲ جامع

جواب: فقہی روایت اس کی موید وہ ہے جو کتاب الحظر والاباحت میں کتب فتاوی میں لکھی ہے زوجہ کو تعویذ حب کا زوج کے لیے حرام ہے اس کی وجہ یہ ہی ہے کہ اس کے اثر سے زوج کو ایسے امر کے لیے مغلوب کرنا ہے جو اس پر واجب نہیں یہی علت یہاں بھی ہے پس اشتراک علت سے حکم مشترک ہوگا اور صاحب شبہ کے مقیس علیہ میں اور اس میں فرق ظاہر ہے کہ اس مقیس علیہ میں اس صاحب ریاضت نے نہ اس کا قصد کیا نہ اس کو اس کا علم اور مدار تکلیف یہی دو امر ہیں اور مقیس میں خود قصد کیا ہے جو مسبوق بالعلم ہوتا ہے اور اگر مقیس علیہ میں بعد میں علم ہو جاوے کہ دینے کے بعد پچھتایا ہے تب بھی واپس کرنا واجب نہیں کیونکہ شرط علت طیب قلب وقت الاعطاء ہے بعد میں اس کا بقا ضروری نہیں البتہ مروت و ہمت اسی میں ہے کہ واپس کردے چنانچہ جناب رسول اللہ ﷺ کو کسی اعرابی نے ہدیہ دیا آپ نے اس کا بہت سا بدل دیا مگر وہ راضی نہ ہوا مگر آپ سے یہ منقول نہیں کہ واپس فرمایا ہو۔ اس سے تو عدم وجوب واپس کا ثابت ہوا۔ اور آپ چونکہ بدل دے چکے تھے جو حکم مبدل ہے اس سے واپسی کا اقرب الی الہمت ہونا معلوم ہوا۔ ۱۲ اشرف

(۲) جو لوگوں کے دلوں کے خیالات کو اپنی مرضی کے مطابق پھیر لے

روپے دیدو۔ جب وہ چلا گیا تو بہت پچھتایا کہ یہ میں نے کیا کیا فوراً خانساماں سے کہا کہ اس کو پکڑو۔ جب وہ آیا صورت دیکھتے ہی کہا کہ اس کو وہ سو روپے دیدو کچھ نہ کہو۔ پھر وہ چلا گیا تو نادم ہوا پھر خانساماں سے کہا کہ اس کو پکڑو جب وہ سامنے آیا پھر یہی کہا۔ تیسری بار میں خانساماں نے کہا کہ آپ تو دق[1] کرتے ہیں آپ لکھ دیجیے۔ چنانچہ اس نے سو روپے دینا اس سے لکھوالیا اس وقت وہ نادم[2] تو ہوا لیکن چونکہ لکھ چکا تھا اس لیے کچھ نہ بولا۔ پس اس طرح کسی کا مال لینا بالکل ایسا ہی ہے جیسے لٹھ مار کر لینا۔

اصل کمال اتباع سنت ہے

ہمارے حافظ صاحب جناب حافظ ضامن صاحبؒ شہید کے صاحبزادے حافظ محمد یوسف صاحب مرحوم بھی صاحب نسبت تھے اور بھوپال میں تحصیلدار تھے۔ ایک صاحبِ تصرف فقیر یہ سمجھ کر کہ یہ تو ایک تحصیلدار ہیں ان کی صرف متوجہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ ان کو معلوم ہو گیا فوراً یہ شعر پڑھا۔

سنبھل کے رکھنا قدم دشت خار میں مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

حافظ صاحب کا یہ شعر پڑھنا نہ تھا کہ وہ تڑسے[3] گر پڑے اور کہا کہ حضور میں تو آپ کا ہی شغال[4] رنگین ہوں۔ حافظ صاحب نے اس کو نصیحت فرمائی اور فرمایا کہ توبہ کرو کس خرافات[5] میں مبتلا ہو اتباع سنت کرو بڑی شئے اتباع سنت[6] ہے۔ تصرف کوئی شئے[7] نہیں ہے اور یاد رکھو جو عمل ہاتھ پاؤں سے

---

(۱) پریشان کرتے ہیں (۲) شرمندہ (۳) فوراً گر پڑا (۴) آپ ہی کا ہم مسلک ہوں (۵) کن بے ہودہ باتوں میں مشغول ہو (۶) اصل کمال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع کرنا ہے (۷) تصرف کوئی چیز نہیں ہے

ناجائز ہے وہ قلب سے بھی ناجائز ہے بعض لوگ تسخیر کے لیے[1] عمل کیا کرتے ہیں یہ بھی حرام ہے اور اگر کسی بزرگ کو دیکھا ہو کہ وہ میاں بیوی میں محبت ہونے کے لیے عمل کرتے ہوں تو وہ اس درجہ کا عمل کرتے ہیں جس سے میاں حقوق واجبہ ادا کرنے لگے یہ نہیں کہ وہ مغلوب الحواس[2] ہوجائے۔

اصل تسخیر تہذیب اخلاق ہے

بزرگوں کے پاس تسخیر کا عمل تو تہذیب اخلاق ہے اس سے بڑھ کر کوئی تسخیر نہیں جس کی نسبت کسی نے کہا ہے

اخلاق سب سے کرنا تسخیر ہے تو یہ ہے
خاک آپ کو سمجھنا اکسیر ہے تو یہ ہے

جو خدا کا مطیع ہوتا ہے وہ سب کا محبوب ہوجاتا ہے اور اگر وہ غصہ بھی کرتا ہے تو اس کی سب سہتے ہیں حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادیؒ مزاج کے تیز تھے اور جذب بھی تھا وزیر حیدر آباد آئے حکم دیدیا کہ نکالو، کسی نے عرض کیا کہ حضرت وزیر ہیں فرمایا میں کیا کروں جو وزیر ہے۔ جب بہت اصرار کیا تو فرمایا کہ اچھا دو بجے رات تک رہنے کی اجازت ہے۔ حیدر آباد کے امراء بھی اللہ کے بزرگوں کے بہت ہی معتقد ہوتے ہیں، اس شخص نے باوجود وزیر ہونے کے برا نہیں مانا اور دو بجے رات کو چلدیا اور یہ کہا کہ بھائی اب مولانا کا حکم نہیں ہے تو یہ کیا بات تھی ان کے کہنے سے کیوں برا نہ مانتے تھے۔ بات یہ ہے کہ ان حضرات کا جو کام ہے اللہ کے واسطے ہے نفس کے واسطے نہیں ہوتا۔ نرمی کریں جب اور

---

(۱) جنات کو اپنے تابع کرنے کا عمل کرتے ہیں (۲) ایسا نہیں کہ اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ہی سب ختم ہوجائیں

سختی کریں تب، جو بات ہے وہ سب اللہ ہی کے واسطے ہے اور حق تعالیٰ سب کے محبوب حقیقی ہیں آپ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ معشوق اگر گالی دے یا گھونسہ مارے تو عاشق نے برا مانا ہو بلکہ گھونسے کھانے میں بھی مزا آتا ہے۔ اور عاشق یہ کہتا ہے۔

نشود نصیب دشمن کہ بلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(ہر دشمن کا یہ نصیب نہیں ہے کہ وہ تیری تیغ سے ہلاک ہو دوستوں کا سر سلامت رہے کہ تو خنجر آزمائی کر رہا ہے)

اس لیے یہ بھی سب کے محبوب ہیں، اس لیے ان کے سب حرکات بھی محبوب ہیں اور اسی واسطے جس قدر اہل کمال ہیں ان کے کمالات کے تذکرہ کرنے میں تو لذت آتی ہے مگر اہل اللہ کے ہنسنے اور رونے اور بیٹھنے اور سونے کے تذکرہ میں بھی مزہ آتا ہے۔ ان کی سب حرکات میں محبوبیت کی شان نظر آتی ہے جس کا راز اصلی یہ ہے کہ یہ حق تعالیٰ کے محب اور محبوب ہوتے ہیں۔ پس اصل تسخیر تو یہ ہے ور تسخیر کے عمل کو وہ حرام جانتے ہیں۔

بہر حال جو شخص مشغول ہو اس کی طرف قلب سے بھی متوجہ نہ ہونا چاہئیے یہ وجہ تھی اور یہ راز تھا کہ حضرت حاجی صاحب نے حضرت مولانا کو پھر نہیں بلایا۔ پس وہ حالت مشابہ نیند کے ہوتی ہے اور یہ سالکین شاغلین کو پیش آتی ہے پس ایسی حالت والوں کے اعتبار سے وہ نکتہ چل سکتا ہے باقی ہم لوگوں کو نیند آنے کی یہ وجہ نہیں نیند آتی ہے اسباب طبعیہ[1] کی وجہ سے فرق اتنا ہے کہ نماز میں تو کوئی شے دفع نوم[2] موجود نہیں ہے اور ناچ رنگ میں موجود ہے۔

---

(۱) طبعی تقاضے کی وجہ سے (۲) نیند کو دور کرنے والی چیز

نماز میں کی جانے والی کوتاہیاں

حاصل یہ ہے کہ لوگوں کا نماز میں جی نہیں لگتا اور یہ کچھ تراویح کے ساتھ خاص نہیں بعض لوگ جامع مسجد میں سب سے پہلے آتے ہیں لیکن بیٹھتے ہیں سائبان میں ہوا کے واسطے یہ اتباع ہوا ہے جس کی نسبت داؤد جیسے پیغمبر کو یہ ارشاد ہے۔ ولا تتبع الهوى فيضلك عن سبيل الله[1]۔ بعض لوگ اس مصلحت سے بھی باہر بیٹھتے ہیں کہ جلدی سے بھاگ جاویں گے۔ اس لیے کہ شاید ہمارے پیچھے کوئی ایسا شخص نیت باندھ لے کہ قرنیہ ہی ہوجائے اس لیے بس امام نے سلام پھیرا اور چلدیے، ایک آقا صاحب اپنے نوکر کے ساتھ شرط باندھ کر نماز پڑھا کرتے تھے کہ دیکھیں پہلے کون فارغ ہو ایک ظریف صاحب نے دیکھ کر کہا تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اذکار اور قراءات تو تم گھر پڑھ لیتے ہو یہاں خالی اٹھنا بیٹھنا رہ جاتا ہے اور تراویح میں تو خصوصیت سے اہتمام کرتے ہیں کہ جلدی فراغت ہو، اسی واسطے بہت جلدی کھڑے ہوتے ہیں، اور اس جلدی کھڑے ہونے میں تین حالتیں ہیں بعض جگہ تو اذان بھی وقت پر ہوتی ہے اور فرض و تراویح بھی وقت پر ہوتے ہیں خیر اتنی جلدی تو قابل شکایت نہیں گو دلیل بے رغبتی کی ہے، اور بعض جگہ اذان ہوتی ہے وقت سے پہلے اور فرض و تراویح وقت پر ہوتے ہیں اور بعض جگہ نہ اذان وقت پر ہو اور نہ فرض وقت پر، یہ لوگ اپنے نزدیک جب دیکھ لیتے ہیں کہ سرخی غائب ہوگئی بس اذان کہدیتے ہیں۔

عشاء کا اول وقت

حالانکہ امام صاحبؒ کا مذہب یہ ہے کہ سرخی کے بعد جو سفیدی ہوتی ہے

---

(۱) سورۂ صٓ آیت: ۲۶ ترجمہ: اور آئندہ بھی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا کہ وہ خدا کے راستے سے تم کو بھٹکا دے گی۔

جب وہ غائب ہوجائے اس وقت عشاء کا وقت آتا ہے اور ریاضی کے قاعدہ سے بھی امام صاحب کا مذہب قوی معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ دیکھنا اس بات کا ہے کہ شفق کی حقیقت کیا ہے سو شفق واقع میں اثر ہے قرب آفتاب کا اُفق[۱] سے، یہ نور اس کی شعاعوں کا ہے اور شفق اس وقت ہوتی ہے جبکہ آفتاب افق سے اٹھارہ درجہ پر ہو۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا دوسری بات یہ ہے کہ شفق دو وقت ہوتی ہے طلوع سے پہلے اور غروب کے بعد، صبح میں سب کا اتفاق ہے کہ سفیدی کے بعد صبح ہوجاتی ہے اور رات ختم ہوجاتی ہے پس وہ سفیدی دلیل نہار کی ہے پس اسی طرح غروب کے بعد بھی سفیدی تک نہار کا اثر ہے اور تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ ہر موسم میں تقریباً برعایتہ الاحتیاط غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ بعد وہ سفیدی غروب ہوتی ہے۔ پس غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ بعد کم از کم عشا کی اذان ہونا چاہیے اور تیز اذان اور نماز میں کچھ فصل بھی ہونا چاہیے کم از کم آدھ گھنٹہ کافی ہے۔ پس غروب سے پورے دو گھنٹہ بعد عشا کے فرض ہونا چاہیئے اور اس سے پہلے کھڑے ہونا تعجیل غیر مناسب ہے۔

تعجیل اور سرعت میں فرق

بعضے بڑھے جن ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ نیک کام میں جلدی کرنا چاہیئے۔ اجی حضرت نیک کام میں سرعت آئی ہے جس کی نسبت **یسارعون فی الخیرات**[۲] آیا ہے۔ سرعت اور شے ہے اور تعجیل اور شئے سرع. کہتے ہیں **التقدم فیما یجوز التقدم فیه**[۳] کو، اور تعجیل کے معنے ہے

---

(۱) سورج کے افق سے قریب ہونے کا اثر ہے (۲) آل عمران آیت ۱۱۴۔ نیکی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں (۳) اس کام میں آگے بڑھنا جس میں آگے بڑھنا جائز ہو

التقدم[1] فیما لا یجوز التقدم فیہ[2] اس کی نسبت العجلۃ من الشیطان[3] آیا ہے۔

آج کل کے مجتہدین کی مثال

آج کل مجتہدین بہت پیدا ہوئے ہیں، ایسے ہی ایسے مجتہدوں نے دین کو خراب کیا ہے اور ایسے ایسے مجتہد ہزاروں ہیں اور ان کے القاب بھی عجیب عجیب ہیں۔ کوئی لیڈر ہے کوئی ریفارمر کہلاتے ہیں، ایسوں ہی کی نسبت جو کہ شرائع میں تحریف کرتے رہتے ہیں کسی نے کہا ہے۔

گربہ میر وسگ وزیر وموش را دیواں کنند
اینچنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند[4]

ناس کردیا ہے ان خیر خواہوں نے اسلام کا، بلکہ سچ یہ ہے کہ اپنا ناس کرلیا ہے اسلام کو یہ کیا ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ اسلام کی تو وہ کیفیت ہے۔ **یریدون ان یطفئوا نورالله بافواههم والله متم نوره[5]**.

چراغے را کہ ایزد بر فروزد ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد
اگر گیتی سراسر باد گیرد چراغ مقبلاں ہر گز نہ میرد[6]

---

(۱) لیکن تعجیل کے یہ معنی حدیث لایزال امتی بخیر ما عجلوا الافطار اخروا لسحور کے اندر نہیں بنتے ۱۲۔ البواب: یہاں بالمعنی الاعم استعمال کیا گیا ہے پس یہ محاورہ ہوگا یا اصل یہ ہے کہ تعجیل کی دو قسم ہوں محمود اور مذموم ۱۲ اشرف (۲) اس کام میں آگے بڑھنا جس میں آگے بڑھنا جائز نہ ہو (۳) جلدی کا کام شیطان کا (۴) بلی کو امیر بنایا کتے کو وزیر اور خرگوش کو دربان مقرر کیا۔ مملکت کے لیے ایسے ارکان چن کر مملکت کو ویران کردیا (۵) وہ اللہ کے نور (اسلام) کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھانا چاہتے اور اللہ اس نور (اسلام) کو پورا کرنا چاہتے ہیں (۶) جس چراغ کو اللہ روشنی کرے جو اس کو بجھانے کے لیے پھونک مارے گا اس کی اپنی داڑھی جل جائیگی اگر پوری زمین ہی ہوا بن جائے تب بھی مقبولوں کا چراغ گل نہیں ہوگا

لیکن انہوں نے تو اس شمع کے بے نور کا ارادہ کرلیا ہے گو وہ شمع روشن رہے اسلام کی تو وہ حالت ہے۔

ہنوز آں ابر رحمت درفشان ست　　خم و خمخانہ با مہرو نشان است[1]

واللہ اسلام میں ذرہ برابر بھی ان کی کرتوتوں سے فرق نہیں آیا اور وجہ اصلی اس کی یہ ہے کہ سرکاری وعدہ ہے وانا لہ لحافظون[2] کہ ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں اور ظاہری صورت اس کی یہ ہے کہ خادمان دین ہزاروں کی تعداد میں حق تعالیٰ نے پیدا فرمادیے ہیں جو منصورین من الحق[3] ہیں ایک جماعت کی جماعت اس کام کے لیے پیدا کردی ہے کہ وہ ہمیشہ دین کے اندر اجزاء مختلط[4] کو جدا کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ دین اس قدر ہے اور اتنی بات اس میں بددینی کی ہے اس لیے کسی کی کچھ نہیں چلتی ورنہ ان اہل الرائے کا اثر تو واقعی بہت زبر دست تھا جس کی نسبت ارشاد ہے **وان کان مکرھم لتزول منه الجبال**[5]۔ گویا ان کے مکروں کو دیکھ کر اسلام بزبان حال کہتا ہے۔

قتل ایں خستہ بہ شمشیر تو تقدیر نہ بود
ورنہ ہیچ از دل بے رحم تو تقصیر نہ بود[6]

لیکن خدا تعالیٰ کی حفاظت ہے اور قیامت تک حسب وعدہ مخبر صادق علیہ الصلوۃ والسلام[7] برابر رہے گی۔ باقی ان لوگوں نے اپنے اجتہاد سے پورا کام لے لیا ہے یاد رکھو قرآن شریف کی تفسیر کرنا آسان کام نہیں ہے اس کے لیے

---

(۱) اس کا ابر رحمت اب بھی برس رہا ہے کہ جام اور شراب خانہ کا باقی ہونا اس کی رحمت کی نشانی ہے (۲) اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں (۳) جن کو اللہ کی مدد حاصل ہے (۴) دین میں شامل کردہ اجزاء کو الگ کردیتے ہیں (۵) اگرچہ تھا مکر اس قسم کا تھا کہ اس سے تو پہاڑ بھی ٹل جائے (۶) اس کمزور کا قتل تیری تلوار کے مقدر میں نہیں تھا ورنہ تیرے بے رحم دل نے تو کوئی کسر نہ چھوڑی تھی (۷) سچی خبر دینے والے یعنی محمد ﷺ

چودہ علم میں مہارت کاملہ ہونے کی شرط ہے جیسا صاحب کشاف[۱] نے لکھا ہے پس آپ کسی آیت کی تفسیر نہیں سمجھ سکتے۔ پس اب وہ شبہ **یسارعون فی الخیرات** سے جو ہوا تھا دفع ہو گیا۔

تراویح میں کی جانے والی کوتاہیاں

بعض لوگ تو تراویح سے جلدی فارغ ہونے کے لیے اس قدر عجلت کرتے ہیں کہ سبحانک اللھم بھی نہیں پڑھتے اور التحیات کے بعد درود شریف تو شاید کوئی اللہ کا بندہ پڑھتا ہوگا اور التحیات بھی بہت تیز پڑھتے ہیں ان سب امور سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود صرف قرآن خوانی کو سمجھتے ہیں نماز کو مقصود نہیں جانتے ورنہ اس کے اجزاء میں یہ کتر بیونت[۲] نہ کرتے۔ اور قرآن بھی اس قدر تیز پڑھتے ہیں کہ بجز "غفورا اور شکورا" کے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا پڑھا غرض یہ چاہتے ہیں کہ جلدی سے خلاصی[۳] ہو۔

حکایت

جیسے ایک سررشتہ دار اور ایک ان کے نائب دونوں ایک کچہری میں تھے۔ انگریز ان کو نماز کے وقت اجازت دے دیتا تھا کہ تم نماز پڑھ آؤ۔ تو سررشتہ دار صاحب تو نمازی تھے وہ تو بہت دیر میں نماز خشوع و خضوع سے پڑھ کر آتے تھے۔ اور نائب صاحب بے نمازی تھے وہ تھوڑی دیر میں واپس آجاتے۔ صاحب نے ایک روز پوچھا کہ تم بہت جلدی آجاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم نماز نہیں پڑھتے۔ کہا حضور سررشتہ دار صاحب نئے نمازی ہیں نماز ان کو آتی نہیں وہ سوچ

---

(۱) کتاب کا نام ہے (۲) کاٹ تراش نہ کرتے (۳) جلدی سے جان چھوٹے

سوچ کر پڑھتے ہیں اور مجھ کو نماز کی مشق ہے نماز میری گھٹی[1] میں ہے، پرانا نمازی ہوں بالکل خوب یاد ہے اس لیے جلدی پڑھ کر آتا ہوں۔

ہماری نماز کی مثال

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری نماز کی مثال ایسی ہے جیسے گھڑی کہ اس کو کوکنے[2] کی تو ضرورت ہوتی ہے مگر ایک مرتبہ جب کوک دی[3] تو پورے چوبیس گھنٹے کے بعد وہ بند ہو گئی اسی طرح ہماری نماز ہے کہ شروع کرنے کی دیر ہے جب شروع کردی بس پھر تو مشین کی طرح آپ سے آپ[4] تمام ارکان ادا ہو رہے ہیں السلام علیکم ہی پر جا کر خبر ہوتی ہے خصوصاً تراویح کا تو بہت ہی ناس کرتے ہیں حالانکہ نماز کی ہیئت اور اس کے تمام احکام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور قلب کی بہت ہی رعایت رکھی گئی۔ چنانچہ تراویح میں ہر چار رکعت پڑھنے سے جو تکان ہو گیا ہے اس سے سکون ہو جائے اور نشاط[5] عود کر آوے گا طبیعت تازہ ہو جائے گی۔ آئندہ چار رکعت اطمینان سے ادا ہوں گی اب بعض حفاظ تو بالکل بیٹھتے ہی نہیں اور بعض جو بیٹھتے ہیں تو پالا سا چھوا[6] دیتے ہیں۔ یہاں تک تو امام صاحب کی زیادتیوں کا بیان تھا۔ اب مقتدیوں کی سنیے۔ انہوں نے ایک عجیب ترکیب نکالی ہے۔ وہ یہ کرتے ہیں کہ لیٹے رہتے ہیں یا بیٹھے سویا کرتے ہیں۔ جب دیکھا کہ امام اب رکوع میں جائے گا فوراً نیت باندھ کر شامل ہو گئے اور بعضے جو اول[7] سے شامل بھی ہوتے ہیں تو محض سستی کی وجہ سے قیام چھوڑ دیتے ہیں۔ بیٹھے بیٹھے پڑھتے ہیں اور پڑھتے کیا ہیں بعضے تو اچھی خاصی

---

(۱) جنمی میں بچپن سے نماز پڑھنے کا عادی ہوں (۲) چابی دینے کی ضرورت ہے (۳) چابی دیدی (۴) خود بخود (۵) نشاط واپس آجائیگا (۶) ذرا سی دیر کو بیٹھ کر فوراً کھڑے ہو جاتے ہیں (۷) شروع سے

طرح سوتے ہیں۔ غرض امام اور مقتدی نے سب نے مل کر تراویح کی یہ گت بنائی ہے۔ پس یہ ساری خرابی اس کی ہے کہ نماز کو مقصود ہی نہیں سمجھا زیادہ تر ختم قرآن انکا پیش نظر ہے اس لیے ضروری ہوا کہ ان دونوں کا فرق بیان کیا جاوے۔

مقصود تراویح ہے ختم قرآن نہیں

سو یاد رکھو کہ ان دونوں عبادتوں میں مقصود اعظم نماز ہے ختم قرآن تابع ہے اور یہ فرق میں نے اپنی طرف سے نہیں گھڑا اس لیے کہ ہم تعیین کرنے والے کون ہوتے ہیں فقہاء نے تراویح کو سنت موکدہ لکھا ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ہم پلہ ہیں۔ لیکن آگے چل کر ایک جزئیہ لکھا ہے اس سے میرے قول کی تائید ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں کہ اگر کسی قوم پر کسل[1] غالب ہو اور گمان غالب ہو کہ اگر یہاں قرآن پڑھا جائیگا تو لوگ نہ سنیں گے تو ایسی جگہ پورا قرآن شریف نہ پڑھا جاوے اور بیس رکعت تراویح الم ترکیف سے پڑھ لیں[2] یہ نہیں فرمایا کہ رکعتوں میں اقتصار[3] کردیں مثلاً بیس کی جگہ آٹھ ہی پڑھ لیا کریں یا بلا نماز[4] ہی قرآن ختم کرلیں فقہاء نے لوگوں کی حالت کو ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے انہوں نے دیکھا کہ اگر قرآن ختم کیا جاوے گا تو لوگ تراویح ہی چھوڑ دیں گے چنانچہ اسی بنا پر وہ فرماتے ہیں **من لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل**[5] غرض اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ مقصود اعظم نماز ہے اور ختم قرآن تابع ہے جب فقہاء کے قول سے تائید ہو گئی اب ہم کو گنجائش ہے کہ ہم دوسری جگہ سے

---

(۱) سستی کا غلبہ ہو (۲) اس طرح کہ پہلے دس تراویح میں یہ سورتیں پڑھیں اور پھر دوسری دس میں یہ سورتیں دوبارہ پڑھ کر بیس رکعت پوری کرلیں (۳) رکعتوں میں کمی کرلیں (۴) بغیر نماز ہی کے (۵) جو اہل زمانہ کو نہ پہچانے وہ جاہل ہے

تائید اس کی بیان کریں وہ یہ ہے کہ نماز اور قرآن کی وضع کے اندر جو غور کیا جاتا ہے اور دیکھا جاتا ہے تو اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ قراءۃ قرآن تابع ہے اور صلوٰۃ متبوع[1] اس لیے قراۃ صلوٰۃ کا جز بنایا گیا ہے اس لیے کہ صلوٰۃ نام ہے قیام قراءاۃ رکوع، سجدہ، قومہ، جلسہ مجموعہ، کا اور قرآن اس کا جز ہے اور قاعدہ عقلی ہے کہ والکل اشرف من الجز[2] اس لیے کہ جو فضیلت قرآن مجید کی ہے نماز میں وہ بھی حاصل ہوگی اور دوسرے ارکان کی فضیلت اور شامل حال ہو جائے گی۔

شبہ اور اس کا جواب

باقی اس پر ایک شبہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن جو موقوف علیہ ہے تابع نماز کا ہے اسی درجہ میں ہے جس درجہ میں توقف ہو اور موقوف علیہ صرف تین آیتیں ہر رکعت میں ہیں[3] یہ طویل مقدار موقوف علیہ نہیں ہے پس ختم قرآن کا تابع ہونا کیسے مقصود ہوا اور گفتگو اسی میں تھی پس ممکن ہے کہ تین آیت کی قدر تو قرآن تابع ہو اور اس سے زیادہ تابع نہ ہو اس کا جواب دیتا ہوں۔

وہ یہ ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس قدر قراءات فرض اور اس قدر واجب اور اس قدر مستحب ہے اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اتنی مقدار پر کفایت کرنا فرض و واجب ہے اور زیادہ پڑھنا مستحب ہے پس یہ فعل فرض یا مستحب ہوگا باقی قراءات وہ جس قدر پڑھی جاوے گی سب کو یوں ہی کہیں گے کہ یہ سب فرض ہی واقع ہوگا بس اب تمام قرآن جزو صلوٰۃ بن کر تبعیت ثابت ہوگئی

---

(۱) نماز اصل ہے اور قراءات قرآن اس کے تابع ہے (۲) اور کل جز سے افضل ہوتا ہے (۳) مطلب یہ ہے کہ قراءات قرآن جو نماز کا ایک رکن ہے جس پر نماز کی درستگی موقوف ہے وہ صرف ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیات ہیں بس باقی قرآن تابع نماز نہ ہوا

غرض اس تقریر سے ثابت ہو گیا کہ مقصودِ اعظم نماز ہے۔

حقوق تراویح

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تراویح جس میں قرآن پڑھا جاتا ہے اس کے حقوق مطلق تلاوت قرآن سے زیادہ ہوں گے اس لیے کہ جس قدر حقوق مطلق کے ہوں کے وہ سب بھی اس نماز کے ہوں گے لجزئیتہ[1] اور نماز کے حقوق علیحدہ ثابت ہوں گے پس اس کا بہت زیادہ اہتمام اور رعایتیں کرنا چاہیئے منجملہ ان حقوق اور رعایات کے کہ جس میں فروگذاشت[2] ہو رہی ہے تعدیل ارکان[3] ہے اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ارکان اطمینان کے ساتھ ادا ہوں دوسرے یہ کہ قرآن اس قدر پڑھا جائے کہ جو مقتدیوں کو گراں نہ ہو اور اگر مقتدیوں کو گراں ہو تو ان کو منافقین سے مشابہت ہو جاوے گی جن کی نسبت ارشاد ہے۔ اذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ[4]۔ جس کا سبب یہ امام ہوا۔ عبادت مستحبہ وہی بہتر ہے جو نشاط کے ساتھ ہو۔

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ ہفتہ میں ایک مرتبہ وعظ فرمایا کرتے تھے، لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ہفتہ میں دو بار فرمایا کیجیے۔ فرمایا کہ کان رسول اللّٰہ یتخولنا بالموعظۃ یعنی جناب رسول اللہ ﷺ گاہ گاہ وعظ سے ہماری خبر گیری فرمایا کرتے تھے اور اس لیے ایسا فرماتے تھے کہ لوگوں کو ملال عارض نہ ہو، پس اسی کے موافق قرآن بھی اسی قدر پڑھنا مناسب ہے کہ جس سے لوگوں کو گرانی نہ ہو اور بھاگیں نہیں۔ آج کل لوگ

---

(۱) کیونکہ وہ اس کا جزء ہے (۲) جس میں لوگ کوتاہی کر رہے ہیں (۳) ہر رکن کو اطمینان سے ادا کرنا
(۴) جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں

دو طرح سے ظلم کرتے ہیں بعض تو یہ کرتے ہیں کہ تین تین چار چار پارے پڑھتے ہیں اور بعضے پڑھتے تو ہیں سوا ہی پارہ مگر بہت آہستہ پڑھتے ہیں۔ رمضان میں ان حفاظ کی عملداری ہوتی ہے جس طرح چاہتے ہیں بیچارے مقتدیوں کو دق[۱] کرتے ہیں، توسط کی رعایت ہر حال میں ہونا چاہیئے نہ تو اتنی تطویل[۲] ہو کہ گرانی ہو اور نہ اس قدر تعجیل ہو کہ حقوق نماز اور قرآن کے فوت ہوں۔

اھل کتاب سب برابر نہیں

بہر حال مقصود میرا یہ ہے کہ اس ماہ میں دو عبادتیں مشروع کی گئی ہیں ان آیتوں میں دونوں کا ذکر ہے۔ اوپر سے اہل کتاب کا ذکر ہے اور اس کے اوپر سے امت محمدیہ ﷺ کی خیریت کا ذکر ہے۔ اس کے بعد اس تقریب[۳] سے اہل کتاب کی نسبت ارشاد ہے **ولو آمن اھل الکتاب لکان خیرالھم**[۴] یعنی اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہت بہتر ہوتا آگے ان پر عتاب اور غضب کا مضمون ہے **لن یضروکم الا اذی سے یعتدون**[۵] تک برابر یہی مضمون چلا گیا لیکن بعض اہل کتاب ایمان بھی لے آئے تھے اس لیے **لیسو سواء**[۶] سے ان کا ذکر ہے کیا عجیب کلام ہے۔ واقعی بات یہ ہے کہ ایسا کلام بشر[۷] کا ہرگز نہیں ہوسکتا، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہم کو جب کسی فریق پر غصہ آوے گا اور غصہ کا ہم اظہار کریں گے کہ تم ہم کو اس طرح ستاتے ہو اور تم لوگوں نے یہ کیا وہ کیا تو ان میں جو مطیعین[۸] ہیں وہ بالکل

---

(۱) پریشان کرتے ہیں (۲) نہ تو اتنی لمبی نماز پڑھے کہ گرانی ہو (۳) امت محمدیہ کے ساتھ ہی اہل کتاب کا ذکر کرنے کیوجہ سے اہل کتاب کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا (۴) آل عمران: آیت ۱۱۰ (۵) آل عمران آیت: ۱۱۱ سے ختم آیت: ۱۱۲ تک (۶) آل عمران آیت: ۱۱۳ (۷) انسان کا (۸) فرمانبردار ہیں

نظر انداز ہوجائیں گے اور ایک ہی جانب کلام کا رخ ہو کر انتہائی طاقت اس میں صرف کردیں گے بلکہ اگر کوئی شخص ان مطیعین میں سے بھی اس وقت آجاوے اور اگر سلام کرے یا کوئی بات کرے تو اس پر بھی برسنے لگیں گے کہ تم کو سلام بھی اسی وقت سوجھا تھا، تو اس کی وجہ کیا ہے کہ ہم ممکن اور حادث اور متاثر ہیں[1] ہمارے اندر انفعالات رکھے گئے جب ایک اثر سے طبیعت منفعل ہوتی ہے تو بعینہٖ اس وقت دوسری طرف ہماری توجہ منصرف نہیں ہوسکتی حق تعالیٰ انفعال اور تاثر سے پاک ہیں ابھی غضب[2] کا اظہار ہورہا ہے کہ ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ وباؤا بغضب من اللہ الخ اور اسی وقت دوسرا پہلو بھی نظر انداز نہیں ہوا بلکہ ساتھ ساتھ وہ بھی چل رہا ہے یا تو خفگی ہورہی تھی اور یا اب ان میں سے مومنین کے اوصاف ارشاد ہوتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے لیسوا سواء الخ یعنی یہ اہل کتاب سب برابر نہیں ہیں سب کو ایک لکڑی نہ ہانکنا، ان میں سے ایک جماعت ایسی ہے حق پر قائم و ثابت ہیں یہ تو عقائد کی طرف اشارہ ہے آگے یتلون آیات اللہ یہ اعمال کی طرف اشارہ ہے یعنی پڑھتے ہیں وہ اللہ کی آیتوں کو سات، شب[3] میں اور وہ نماز پڑھتے ہیں۔ اس ترجمہ سے معلوم ہوا ہوگا کہ ان آیتوں میں دونوں چیزوں کا ذکر ہے تلاوت قرآن کا اور نماز کا بھی لیکن مفصلاً[4] ذکر نہیں بلکہ اجتماعی طور سے ذکر ہے یعنی نماز میں قرآن پڑھنے کا ذکر ہے۔

---

(۱) ہماری ذات ایسی ہے کہ جو ختم ہونے والی ہے اور جو متاثر ہوتی ہے ایک فعل سے جب ہماری طبیعت متاثر ہوتی ہے تو اسی لمحہ دوسری طرف توجہ نہیں ہوسکتی (۲) غصہ (۳) رات کی گھڑیوں میں (۴) تفصیلی ذکر نہیں

آیت کی دو تفسیریں

اس لیے کہ اس آیت کی دو تفسیریں ہوسکتی ہیں ایک تو یہ کہ وهم یسجدون میں واؤ عاطفہ ہو اس وقت تو اقتران پر یہ آیت نص نہ ہوگی گو محتمل ہو اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ واؤ حالیہ ہو اور ذوقاً ارجح یہی[1] معلوم ہوتا ہے اس صورت میں اقتران اس کا مدلول ہوگا یعنی مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کی آیتیں ساعات لیل میں تلاوت کرتے ہیں اس حالت میں کہ سجدہ کرتے پس اس تفسیر کے موافق اس آیت کا مضمون تراویح کے نہایت مناسب ہوگیا۔ بہر حال اس آیت سے اس عمل کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور نیز دوسری وجہ فضیلت کی یہ ہے کہ شروع رکوع کنتم خیر امة میں اس امت کی خیریت کا ذکر ہے پس آگے ان اعمال کا ذکر ہوگا جن کو خیریت میں دخل ہوگا اور یہاں خیریت کے معنی وہ نہ سمجھنا کہ بولا کرتے ہیں کہ تمہارے یہاں خیریت ہے بلکہ خیریت کے معنیٰ ہیں بہت اچھا ہونا۔ خیر صیغہ افعل التفضیل کا ہے پس حاصل یہ ہوگا کہ اگر تم یہ اعمال کروگے تو بہت اچھے ہوجاؤ گے حق تعالیٰ جن کو بہت اچھا کہے ان سے بڑھ کر کون ہوگا۔ بہت اچھا کے لفظ پر ایک بات یاد آگئی کہ وہ اس احقر[2] پر ایک نعمت ہے میں اس کو تفاخراً[3] نہیں کہتا بلکہ تحدث بالنعمۃ[4] کے طور پر عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایک دوست نے خواب میں دیکھا جناب رسول اللہ ﷺ کو اور یہ بھی دیکھا کہ حضور ﷺ اس شخص سے کچھ پوچھ رہے ہیں اثناء کلام[5] میں اس دوست نے یہ کہا کہ میں فلاں شخص (حضرت مولانا صاحب)[6] سے بیعت

---

(۱) حضرت کا ذوق یہ کہتا ہے کہ یہی تفسیر راجح قوی ہے (۲) مراد مولانا اشرف علی تھانوی ہیں (۳) فخریہ بیان نہیں کرتا (۴) بلکہ ایک نعمت کے طور پر بیان کرتا ہوں (۵) دوران گفتگو (٦) مولانا اشرف علی تھانویؒ

وں حضور ﷺ نے سن کر فرمایا کہ وہ بہت اچھا آدمی ہے اپنا بہت اچھا ہونا تو مجھ میں نہیں آیا کہ اپنے ظاہر پر ہے یا مؤل⁽¹⁾ ہے اس لیے کہ اپنے اعمال ندے پیش نظر ہیں۔ شہوت۔ غضب۔ ریا بہت سی بلائیں ہیں ان کے ہوتے ہوئے بہت اچھا کس طرح ہوجاؤں گا⁽²⁾ ہاں یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایمان ہے ور اہل اللہ سے محبت ہے۔ لیکن میں تو اس بات سے خوش ہوا کہ حضور ﷺ کے یہاں تذکرہ تو آیا۔ اگرچہ اس خواب کا یہاں موقع بیان کا نہ تھا اس لیے کہ یہاں جن وگوں کو بہت اچھا کہا گیا وہ بیدار تھے اور یہ خواب ہے کہاں خواب کہاں بیداری ور اول تو بیداری ہی میں ہو تو بھی قابل ناز نہیں پھر خواب کا معاملہ ہی جدا ہے پھر دوسرے یہ ہے کہ یہ اپنے مطلب کی بات ہے اس میں احتمال ہے خیال کے مل جانے کا یعنی زیارت حضور ﷺ میں نہیں⁽³⁾ بلکہ کلام کے سمجھنے یا یاد رکھنے میں، مجھ کو اس پر ایک حکایت یاد آئی۔

سلطان نظام الدین کے سماع کا قصہ

وہ یہ ہے کہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء قدس سرہ صاحب سماع تھے یعنی گانا سنتے تھے مگر ایسا نہیں جیسے آج کل لوگ سنتے ہیں بلکہ شرائط کے ساتھ سنتے تھے کہ ان شرائط کے ساتھ آج کل کوئی بھی نہیں سنتا اور نہ ان کا ہر وقت کا شغل⁽⁴⁾ تھا پھر خود سننے والے صاحب نسبت تھے باوجود اس احتیاط کے بھی جو

---

(۱) ظاہری معنی پر محمول ہے یا اس میں تاویل کیجائے گی (۲) یہ حضرت کی انتہائی انکساری ہے کہ عیوب کو ذکر کر رہے ہیں خوبیوں پر نظر نہیں (۳) اس لیے کہ حدیث میں آتا ہے جس نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی اس نے یقیناً آپ ﷺ ہی کو دیکھا شیطان آپ کی شکل میں خواب میں بھی نہیں آسکتا (۴) مشغلہ

اس وقت علماء تھے وہ منع کرتے تھے چنانچہ قاضی ضیاء الدین صاحب سنامی نے روکا اور فرمایا کہ بدعت ہے اور سنت کے خلاف ہے حضرت سلطان جی خود بھی عالم تھے درسیات پڑھی تھی چنانچہ ایک بار مقامات حریری[1] حضرت نے حفظ یاد کی تھی اور پھر اس کے کفارہ کے لیے مشارق الانوار[2] حفظ فرمائی تھی لیکن قاضی صاحب سے مناظرہ[3] نہیں کیا اور سکوت[4] فرمایا اور جب سلطان جی سنتے تھے اسی وقت قاضی روکتے تھے ایک مرتبہ سلطان جی نے فرمایا کہ اچھا اگر میں جناب رسول اللہ ﷺ سے کہلوادوں اس وقت تو مانوگے جی[5] میں تو یہی تھا کہ دلائل سے میں حق پر ہوں نہ مانوں گا لیکن یہ سمجھ کر حضور ﷺ کی زیارت تو ہوگی۔ کہا کہ اچھا حضرت سلطان جی متوجہ ہوئے اور قاضی صاحب پر ایک غنودگی سی طاری ہوئی دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ فقیر[6] کو کیوں تنگ کرتے ہو قاضی صاحب وہاں بھی نہ چوکے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ کا ارشاد سر آنکھوں پر ہے لیکن وہ جو آپ کے بیداری کے احکام ہیں[7] مجھے اس حالت کے حکم سے زیادہ وثوق[8] ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت میری کیا حالت ہے جب اس حالت سے افاقہ ہوا تو سلطان جی نے فرمایا کہ دیکھا ہم نے کہلا بھی دیا۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ ہم نے جواب بھی دیدیا قاضی صاحب نے حقیقت میں بہت عجیب بات کہی محویت کہ جو نیند سے کم ہے اس کے احکام کا محققین نے اعتبار نہیں کیا ایسے ہی کشف کا بھی اگر خلاف شریعت ہو اس کا بھی اعتبار نہیں اور خواب کا بدرجہ اولیٰ اعتبار نہیں۔

چنانچہ ایک مرتبہ مصر میں ایک شخص نے خواب دیکھا کہ حضور ﷺ

---

(۱) کتاب کا نام ہے (۲) کتاب کا نام ہے (۳) بحث نہیں کی (۴) خاموشی اختیار فرمائی (۵) دل میں (۶) مراد سلطان نظام الدین ہیں (۷) یعنی احادیث مبارکہ جن میں سماع کو منع فرمایا ہے (۸) زیادہ اعتماد ہے

فرمار ہے ہیں اشرب الخمر[۱] اس وقت سب علماء نے کہا کہ اس شخص کے سننے میں غلطی ہوئی حضور ﷺ نے یقیناً لاتشرب الخمر[۲] فرمایا ہے۔ تو صاحبو یہ خواب کوئی قابل فکر نہیں ہے۔ لیکن ہاں اس بات کی خوشی ہے کہ حضور ﷺ نے ذکر تو فرمایا۔ یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا امت محمدیہ کو خیر امت فرمانا بڑی فضیلت ہے

بہر حال حق تعالیٰ کا امت محمدیہ ﷺ کو بہت اچھا فرمانا بہت بڑی فضیلت ہے۔ یہ تو سباق[۳] آیت سے فضیلت فرمائی اور آخر میں فرماتے ہیں۔ اولئک من الصالحین یہ سباق[۴] سے فضیلت ثابت ہوئی یعنی یہ لوگ صالحین میں سے ہیں صالح عربیت میں ایسے موقع میں بولتے ہیں جہاں ہماری زبان میں لفظ لائق بولا جاتا ہے، خدا تعالیٰ جس کو لائق فرمادیں اس کی فضیلت کا کیا ٹھکانا ہے۔ پس حاصل مقام کا یہ ہوا کہ جو ان کاموں یعنی نماز میں قرآن پڑھتے ہیں وہ بہت اچھے اور بڑے لائق ہیں اللہ اکبر جن کو خدا تعالیٰ بہت اچھے اور لائق فرمادیں ان کو کیا نہ ملے گا۔ اور جو ان کو ملے گا اس کو بھی حضور ﷺ نے ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر یعنی میں نے بندوں صالحین کے لیے وہ شے طیار کی ہے کہ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی کے دل پر ان کا گذر ہوا۔ آپ بہت سے بہت وہ نعمتیں چاہیں گے جو کچھ آپ کے دل میں آویں گی اور جن اشیاء کا وعدہ ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہیں کہ

(۱) شراب پی (۲) شراب مت پی (۳) آیت کی ابتداء (۴) آیت کے مابعد

تمہارے ذہن میں آتی ہیں اس سے زیادہ آپ کیا چاہیں گے اور ثمرات تو ان لوگوں کے لیے ہیں جو طالب ثمرات[1] ہیں ورنہ جو محبین ہیں ان کے لیے تو محبوب کا اتنا فرمادینا کہ بہت اچھے آدمی ہیں تمام ثمرات سے بڑھ کر ہے، اہل قلب سے اس کنتم خیر امۃ فرمانے کی قدر پوچھو کہ وہ اس سے کیا مزہ لیتے ہیں۔

ایک صاحب حال کہتے ہیں کہ اگر یکبار گوید بندہ من از عرش بگذرد خندہ من خوب کہا ہے کسی نے۔

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا　　بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس

(سردست ہمیں یہی کافی ہے کہ تجھ سے نسبت ہے یعنی بلبل کے لیے بھی کافی ہے کہ وہ پھول کے ساتھ قافیہ شعر میں تو ہے۔

نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم

زانکہ نسبت بسگ کوئے توشد بے ادبی

(میں نے اپنی نسبت تیرے کتے سے کی اور میں اس پر بہت شرمندہ ہوں کیونکہ تیرے کتے کے ساتھ بھی نسبت کرنا سخت بے ادبی ہے کیونکہ تیرا کتا بھی میرے مقابلے میں بہت عظیم ہے)

جو اپنے کو اس لائق بھی نہ سمجھتے ہوں کہ اس کے کوچہ[2] کے کتے کی طرف اپنے کو منسوب کرلیا تو کیا ٹھکانا رہے گا ان کی مسرت کا لیکن ہم لوگ جو اس کی قدر نہیں کرتے تو بات کیا ہے کہ ہم کو دین مفت مل گیا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

اے گراں جاں خوار دیدستی مرا　　زانکہ بس ارزاں خریدستی مرا

(اے سخت جاں تو نے مجھ کو ذلیل دیکھا صرف اس وجہ سے کہ میں بہت سستا خریدا گیا ہوں)

---

(۱) جو بدلے کے طالب ہیں (۲) گلی کا کتہ

ہر کہ ارزاں خرد ارزاں دہد　　　گوہرے طفلے بقرص نادہد

اور جو کوئی سستا خریدتا ہے وہ سستا بیچ بھی دیتا ہے جیسے کہ ایک بچہ موتی کو روٹی کی ایک ٹکیا کے بدلے میں دیدیتا ہے)

بچہ کیا جانے موتی کیا ہوتا ہے ایک بسکٹ دے کر اس سے موتی لے سکتے ہیں پس ایسے ہی دین ہم لوگوں کو مفت مل گیا ہے، مفت کی چیز کی کون قدر کرتا ہے نہ شکر ہے نہ نیاز ہے نہ عاجزی ہے۔ اللہ اکبر کس قدر سنگدل اور ناقدر دانی ہے۔

طریقہ کے مطابق کام کرنے سے مستحق اجر ہوگا

غرض وہ اعمال جن پر یہ بشارتیں ہیں ان میں سے دو عمل یہ ہیں یتلون آیات اللہ انا، اللیل وھم یسجدون[1] یہ عمل مدار خیریت و صلاحیت ہیں لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اچھے اسی وقت ہوں گے جبکہ کام کو اچھی طرح ڈھنگ سے کروگے اور اگر بری طرح کیا تو اچھا ہونا تو علیحدہ رہا خوف مواخذہ[2] کا ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے چند مزدور کام کرنے والے ہیں۔ مثلاً سڑک کو کوٹنے والے ہیں ان سے کہا کہ تم اس سڑک کو کوٹو تم کو انعام ملے گا۔ بعض نے تو ان میں سے ایسی خراب کوٹی کہ جگہ جگہ گڑھے اور ٹیلے رہ گئے برابر نہیں ہوئی۔ اب اس صورت میں نام تو کوٹنے کا ہوا مگر کام تو نہ ہوا اور نام سے کچھ کام نہیں چلتا۔ مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

میم واؤ میم و نوں تشریف نیست　　　لفظ مومن جز پئے تعریف نیست

---

(۱) آل عمران آیت: ۱۱۳ الخ کی آیتیں اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور وہ نماز بھی پڑھتے ہیں (۲) گرفت ہونے کا ڈر ہے

(م - واؤ م ن سے مومن نہیں بن جاتا بلکہ مومن کی تعریف اس کے اپنے افعال سے مطابق ہوا یعنی لفظ مومن کوئی خلعت[۱] نہیں یہ تو محض[۲] پتے کے واسطے ہے اور وصف عنوانی ہے ان لفظوں میں کچھ نہیں ہے جب تک کہ اس کا مدلول[۳] تم کو حاصل نہ ہو۔ دیکھو لڈو پیڑے کا اگر کوئی وظیفہ پڑھا کرے تو اس سے منہ میں کچھ نہ آئے گا۔

ایک احمق کی حکایت

ایک احمق کی حکایت یاد آئی۔ ایک شخص نے مرنے کے وقت بیٹے کو چند وصیتیں کیں کہ بیٹا میں مرتا ہوں میرے بعد لوگ تعزیت کے لیے آئیں گے جو کوئی آوے اس کی خوب مدارات[۴] کرنا اونچی جگہ اس کو بٹھلانا۔ بھاری پوشاک[۵] پہن کر اس سے ملنا اور شیریں گفتگو کرنا[۶] اور قیمتی کھانا کھلانا۔ یہ چار وصیتیں کیں۔ ابا جان تو یہ کہہ کر مر گئے۔ بیٹے ضرورت سے زیادہ عقلمند تھے۔ چنانچہ ایک شخص کی کمبختی آئی وہ ان کے پاس تعزیت کو آ نکلا نوکروں کو فوراً حکم دیا کہ ان کو مچان[۷] پر بٹھلادو۔ چنانچہ نوکروں نے ان کو اس طریقہ پر کہ پا بدست دگرے دست بدست دگرے[۸] چاروں طرف سے پکڑا وہ بچارے بائیں بائیں کرتے رہے مگر انھوں نے ایک نہ سنی اور فوراً ان کو ایک بلند مچان پر بٹھلادیا اور زینہ[۹] وہاں سے علیحدہ کردیا۔ اب وہ بیچارا بند رسا وہاں چڑھا ہوا ہے اور حیران ہے کہ یہ کیا معاملہ

---

(۱) لباس (۲) صرف ایک علامت ہے (۳) جن معنی پر مومن کا لفظ دلالت کرتا ہے وہ صفات جب تک تمہارے اندر نہ ہوں صرف مومن کہنے سے کام نہیں بنتا (۴) آؤ بھگت (۵) عمدہ لباس (۶) اچھی گفتگو کرنا (۷) گھروں میں کمرے کی ایک جانب سامان وغیرہ رکھنے کے لیے تختے ٹھونک کر اونچی جگہ بنائی جاتی تھی اس کو مچان کہتے ہیں (۸) کہ پاؤں دوسرے کے ہاتھ میں اور ہاتھ بھی دوسرے کے ہاتھ میں یعنی پکڑ کر زبردستی مچان پر بٹھادیا (۹) سیڑھی

ہے۔ اس کے بعد میاں صاحب ملنے کے لیے تشریف لائے تو اس ہیئت[1] سے کہ ایک بہت بڑی جاجم[2] تو باندھے اور ایک اوڑھے ہوئے وہ مہمان بچارے حیران ہوئے کہ یہ کیا عجائب المخلوق[3] جانور ہے۔ خیر آئے مہمان صاحب نے کلمات تعزیت[4] فرمائے کہ آپ کے والد ماجد صاحب کی وفات کی خبر سن کر بہت رنج ہوا۔ تو آپ فرماتے ہیں گڑ۔ اس کے بعد انہوں ں سے کچھ اور فرمایا تو فرماتے ہیں روئی۔ غرض ایک بات کے جواب میں وہ گڑ فرماتے تھے اور دوسری بات کے جواب میں روئی۔ خیر اس پر بھی صبر کیا اس کے بعد حکم دیا کہ ان کو اتار لو۔ چنانچہ اتار لیے گئے۔ کھانا آیا۔ بوٹی گوشت کی ذرا سخت تھی۔ مہمان بولے کہ گوشت گلا نہیں کہنے لگے کہ واہ صاحب میں نے تو آپ کے لیے اپنا پچاس روپے کا کتا ذبح کر ڈالا آپ نے اس کی یہ قدر کی مہمان نے فوراً ہاتھ کھانے سے کھینچ لیا اور کہا کہ خدا تعالیٰ تیرے یہاں کسی کو نہ لاوے خیر یہ تو فرمائیے کہ یہ معاملہ کیا ہے کہا کہ میرے والد ماجد صاحب نے چند وصیتیں کی تھیں میں نے ان پر عمل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ مہمان کو اونچی جگہ بٹھانا تو میرے یہاں اس مچان سے زیادہ اونچی کوئی جگہ نہیں ہے۔ اور یہ فرمایا تھا کہ بھاری کپڑے پہن کر ملنا تو میں نے اس جاجم[5] سے زیادہ بھاری کپڑا کوئی نہ دیکھا اور یہ کہا تھا کہ نرم اور شیریں بات بولنا تو جناب گڑ سے زیادہ میٹھی اور روئی سے زیادہ نرم شے نہیں اور یہ وصیت فرمائی تھی کہ قیمتی کھانا کھلانا تو کتے سے زیادہ قیمتی جانور میرے یہاں کوئی نہ تھا۔ اس مہمان نے کہا کہ خدا تم کو سمجھے اور کسی بھلے کو تمہارے یہاں نہ لاوے تو حضرت یہ اس بیوقوف کا مشرب[6] تھا کہ اور روئی کے نام ہی کو بجائے

---

(۱) انداز (۲) ایک بڑی سی چادر تو باندھ رکھی اور ایک اوڑھ رکھی (۳) عجیب قسم کا جانور ہے (۴) تعزیتی گفتگو شروع کی (۵) بچھانے کی بڑی چادر (۶) مذہب

ان کے مسمی کے سمجھتا تھا[1] اگر آپ بھی صرف لکڑی پر کفایت کرتے ہیں تو اس شخص پر نہ ہنسیے ہمارے اندر اس زمانہ میں ظاہر پرستی بہت آگئی ہے یہی وجہ ہے کہ حقائق تک نہیں پہنچتے۔

آپس میں اختلاف کیوجہ

یہ ایک حکایت مجھے اس پر یاد آئی اندھوں کے مجمع میں ہاتھی آگیا تھا سب نے اس کو ٹٹولا کہ دیکھیں ہاتھی کیسا ہوتا ہے کسی کا ہاتھ تو سونڈ پر پڑا اس نے تو یہ کہا کہ ہاتھی مثل موسل[2] کے ہوتا ہے، کسی کا ہاتھ کان پر پڑا اس نے کہا کہ ہاتھی مثل چھاج[3] کے ہوتا ہے کسی کا دم پر پڑا اس نے کہا ہاتھی مثل جھاڑو کے ہوتا ہے۔ خوب آپس میں اختلاف ہوا اور حقیقت کی ایک کو بھی خبر نہ ہوئی اگر حقیقت تک پہنچ جاتے تو سکون ہوجاتا کوئی اختلاف نہ رہتا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اختلاف خلق از نام اوفتاد　　　چوں بمعنے رفت آرام اوفتاد

(لوگوں میں کسی چیز کے متعلق اختلافات محض نام کے اختلاف کی وجہ سے ہوتے ہیں اور جب ان پر ان کی حقیقت کھل جاتی ہے جو کہ ایک ہی ہے تو سب مطمئن ہوجاتے ہیں)

اختلاف جب ہی تک جب تک کہ الفاظ میں مبتلا ہے اور جب حقیقت تک پہنچ گئے تو سب اختلاف اٹھ جاتا ہے۔

---

(۱) یہ سب غلطی اس وجہ سے تھی کہ باپ کی ہر بات کو ظاہر پر محمول کیا اور اس کی حقیقت تک نہ پہنچ سکا
(۲) ایک بڑا سا ڈنڈا ہوتا ہے جو کوٹنے کے کام آتا ہے (۳) جس میں گندم وغیرہ پھٹکتے ہیں

لفظی اختلاف کی حقیقت

مولانا نے اسی مضمون کی ایک حکایت مثنوی شریف میں لکھی ہے کہ چار آدمی جمع ہوئے۔ فارسی، عرب، رومی، ہندی یا ترکی کسی نے ان کو ایک درہم دیا ان کا جی چاہا کہ انگور خریدیں رومی نے کہ ہم تو استافیل (ترکی میں بمعنی انگور ہے) خریدیں گے عربی نے کہا کہ عنب (انگور) لیں گے۔ فارسی نے کہا کہ ہم انگور لیں گے۔ چوتھے نے کچھ اور کہا (شاید اوزم لکھا ہے آپس میں خوب لڑائی ہوئی۔ اگر معنیٰ تک رسائی[1] ہوتی تو کچھ بھی اختلاف نہ تھا۔ لفظوں میں پھنسنے سے حقیقت مستور[2] ہوجاتی ہے۔ حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ　　　چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

(اسلام کے بہتر فرقوں میں جو آپس میں جنگ ہورہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حقیقت کی راہ نہیں دیکھی اس لیے یہ افسانوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں)

اھل اللہ کے کسی سے نہ لڑنے کی وجہ

یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ کے ساتھ نہیں جھگڑتے اس لیے کہ وہ ایسے مشغول ہیں کہ ان جھگڑوں کی مہلت ہی نہیں۔

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو　　　چو بگذشت برعارف جنگجو

(نیک سیرت بہلول نے کیا اچھی بات کہی ہے کہ ایسا عارف جو دوست کو پہچانتا ہو وہ دشمن کے ساتھ لڑائی میں مشغول نہیں ہوتا)

دیکھو بہت موٹی بات ہے اگر ہمارا کوئی محبوب ہو اور مدتوں سے وہ نہ ملا اور

---

(۱) معنی تک پہنچ جاتے (۲) حقیقت چھپ گئی

دفعۃً[1] کہیں مل جائے تو ہم کو اس وقت لڑنے کی فرصت بالکل نہ ملے گی بلکہ اس وقت اگر کوئی اس کو برا بھلا بھی کہے گا حتی کہ اگر مالی ضرر[2] بھی پہنچائیگا تو یہ بالکل نہ بولے گا اس لیے کہ وہ خیال کرے گا کہ جتنی دیر میں اس سے لڑونگا میرا حراج[3] ہوگا خدا جانے پھر محبوب ملے نہ ملے وہ اپنے دوست کے دیکھنے میں مو[4] رہے گا جبکہ محبوب مجازی تمام جھگڑوں اور لڑائیوں کو قطع کردیتا ہے تو جس شخص کو محبوب حقیقی کا وصل دائم اور مشاہدہ ہر وقت رہتا[5] ہے اس کو کسی سے لڑنے کی کہاں فرصت اور اگر لڑنے بھڑنے میں وہ لگا ہوا ہے تو وہ عارف نہیں ہے مدعی ہے۔

ایں مدعیاں در طلبش بے خبرانند آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیاید

(دعویداران اس کی راہ طلب میں غافل ہیں کیونکہ جو باخبر ہوجاتا ہے پھر اس کی خبر نہیں ہوتی)

بلکہ اگر کوئی اس سے محبوب کے سوا دوسرے کی بات بھی کرنا چاہے گا تو وہ اس کے جواب میں کہے گا۔ ع

مائیم تحیر و خموشی (ہم سراپا حیرت اور خموشی میں)

پس معنی شناس اور حق شناس کی تو یہ شان ہوتی ہے اس لیے میں کہتا ہوں کہ اگر تم پر لفظ "یتلون آیات اللہ" اور "وھم یسجدون" صادق بھی آگئے تو اس سے کیا ہوتا ہے حقیقت تلاوت و سجدہ کی حاصل ہونے کی کوشش کرو اور اس کا طریق یہی ہے کہ حقوق ان دونوں عبادتوں کے ادا کرو۔

---

(۱) اچانک (۲) مالی نقصان (۳) نقصان (۴) مصروف (۵) جو شخص محبوب حقیقی (اللہ پاک) کو ہر وقت دیکھنے اور ملاقات میں مصروف ہو

ایک عملی اشکال اور اس کا جواب

قبل اس کے کہ میں ان کے حقوق بیان کروں ایک بات اور بتلاتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس مقام پر ایک سوال اور اشکال متوجہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جن اعمال کی فضیلت بیان کی گئی ہے آیا یہ اعمال فرض ہیں یا نہیں اگر فرض نہیں ہیں تو فرض کا ذکر بہ نسبت نفل کے اہم ہے اور ذوق لسانی[۱] اور قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مراد نفل ہے اس لیے کہ اسلوب کلام اور الفاظ سے متبادر یہ[۲] ہوتا ہے کہ مقصود کثرت تلاوت و نفل ہے تو کثرت تلاوت و نفل دونوں فرض نہیں ہیں اور اگر کہا جاوے کہ مراد صلوٰۃ تہجد ہے تو صلوٰۃ تہجد بھی فرض نہیں ہے۔ غرض بہر صورت نفل ہے پھر فرائض کو چھوڑ کر نفل کی فضیلت کیوں بیان فرمائی اور اگر کہو کہ مراد فرض ہے تو میں عرض کرچکا ہوں کہ ذوق لسانی اور قرائن اس سے آبی ہیں[۳]۔

اس اشکال کا جواب میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ مراد تو نفل ہی ہے باقی رہی یہ بات کہ فرائض کی اہمیت ان کے ذکر کو مقتضی[۴] ہے یہ صحیح ہے لیکن ذکر کے انواع مختلف[۵] ہیں صریح اور لازمی[۶]۔ فرائض کی اہمیت اس نفل کی فضیلت بیان کرنے سے اور زیادہ بڑھ گئی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب وہ لوگ نفلوں میں کوتاہی نہیں کرتے تو فرائض میں تو بطریق اولیٰ[۷] کوتاہی نہ کریں گے۔ پس فرائض کا ذکر گو عبارۃ النص[۸] سے نہیں ہے لیکن دلالۃ النص سے

---

(۱) طرز بیان اور قرآئن (۲) کلام کے انداز اور الفاظ کے معنی سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مقصود زیادہ طاقات کرنا ہے (۳) زبان دانی اور قرآئن اسکا انکار کرتے ہیں کہ اس سے مراد فرائض ہوں (۴) فرائض کی اہمیت ان کے بیان کرنیکا تقاضا کرتی ہے (۵) ذکر کی مختلف قسمیں ہیں (٦) کھول کر اور لازمی طور پر بیان کرنا (۷) بدرجہ اولی یعنی یقینی طور پر (۸) اگرچہ قرآن کے الفاظ میں فرائض کا ذکر نہیں ہے لیکن قرآن کے الفاظ فرائض کی اہمیت پر دلالت کر رہے ہیں

فرائض کی اہمیت زیادہ محفوظ ہو گئی ہے اور اس زمانہ کے لوگ ایسے نہ تھے جیسے آج کل بعض ہیں کہ نوافل کا تو اہتمام کریں اور فرائض کی پروا نہ کریں۔ ایک شخص کہتے تھے کہ میں اپنے پیر کا اس قدر اتباع کرتا ہوں کہ فرض نماز چاہے قضا ہو جائے مگر پیر کا بتلایا ہوا وظیفہ ناغہ نہیں ہوتا اگر ایسے ہی لوگ اس وقت بھی ہوتے تو واقعی فرض کی اہمیت پر اس آیت کی دلالت ظاہر نہ ہوتی۔

مدلول آیت

حاصل یہ ہے کہ اس آیت میں مراد نفل ہے پس اس تفسیر کے موافق اس آیت میں قیام لیل یعنی تہجد کا ذکر ہوا اور تراویح کا لقب ہے قیام رمضان قیام لیل[1] تو بعینہ محفوظ رہا۔ صرف اس میں ایک مضاف الیہ اور بڑھ گیا یعنی قیام لیلۃ رمضان پس جبکہ اس آیت کا مدلول قیام لیل ہے تو قیام لیلہ رمضان بھی اس میں ضرور داخل ہوگا۔ پس اب دعویٰ کرسکتا ہوں کہ اس آیت سے تراویح کی بھی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور وہ بھی مدار خیریت کا ہے پس ان کو ایسا پڑھیے کہ آپ کی خیریت وصلاحیت محفوظ رہے اور جو اس میں منکرات ہیں ان سے بچیئے۔

حقوق القرآن

اب مختصر سی فہرست حقوق کی بیان کرتا ہوں قرآن مجید کا ایک حق یہ ہے کہ جی لگا کر اس کو پڑھا جاوے کہ اس پر "خروا سجدا و بکیا"[2] کا اثر مرتب ہوجاوے اور دوسری جگہ ارشاد ہے "یخرون للاذقات یبکون و

---

(۱) رات کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مراد تہجد ہے (۲) سورہ مریم آیت:۵۸ ترجمہ: سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گرجاتے تھے

یزیدھم خشوعا"[۱] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بقاء اور خشوع تلاوت قرآن کے وقت ہونا چاہیئے۔

رونے کی فضیلت و حقیقت

یہاں پر طالب علموں کو ایک شبہ ہوگا وہ یہ ہے کہ رونا تو اختیاری نہیں ہے اور سالکین کو یہ شبہ ہوگا کہ جب یہ صفت ایمان والوں کی ہے اور ہم کو رونا آتا نہیں تو ہمارے اندر ایمان نہیں ہے۔ ایک دوست نے بھی مجھ کو لکھا تھا کہ جب سے میں حج کر کے آیا ہوں رونا نہیں آتا اور پہلے رونا آیا کرتا تھا۔ میں نے ان کو جواب لکھا اور اسی سے اس شبہ مذکورہ کا بھی جواب ہو جاوے گا اور وہ جواب یہ لکھا کہ رونے سے مراد آنکھوں کا رونا نہیں اس لیے کہ وہ غیر اختیاری ہے۔ اور غیر اختیاری کی اللہ تعالیٰ تکلیف نہیں دیتے۔ "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا"[۲] بلکہ مراد دل کا رونا ہے۔ پس تم کو گو آنکھوں سے رونا نہیں آتا لیکن دل کا رونا تم کو حاصل ہے باقی اختیار سے رونے کی عورتیں مشاق ہیں کسی کے یہاں تعزیت کے لیے جائیں گی اور اپنے کسی مُردے۔ کو یاد کر کے بس رونا شروع کردیں گی اور ان کا کوئی تازہ مرا ہوا نہ ہوگا تو حکمت کریں گی کہ کپڑے سے منہ چھپالیں گی اور جھوٹ موٹ ہو ہو کرنے لگیں گی لیکن مردوں کا رونا اختیاری نہیں ہے۔ اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ رونا نہ آوے تو رونے کی شکل بنالو۔ یہاں بھی دل کا ہی رونا مقصود ہے اس لیے کہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے جب رونے کی کوئی شکل بنائے گا تو دل میں بھی رونا آہی جاوے گا پس حق

---

(۱) سورہ الاسراء آیت: ۱۰۷ اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ قرآن ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے (۲) اللہ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے

تعالیٰ کے عذاب اور وعید کو دل میں حاضر کرو اور رونے کی شکل بناؤ تا کہ سخت دلی کم ہو۔ مولانا علیہ الرحمۃ اسی رونے کی فضیلت میں فرماتے ہیں۔

اے خوشا چشمے کہ آں گریان اوست
اے خوشا آں دل کہ آن بریان اوست

(وہ آنکھ اچھی ہے جو اس کے لیے روتی ہے اور وہ دل اچھا ہے جو اس کے لیے جلتا ہے)

در تضرع باش تا شاداں شوی   گریہ کن تا بے دہاں خنداں شوی

(اگر تو خوش رہنا چاہتا ہے تو رویا کر، تا کہ تیرا دل بغیر دہن کے ہنستا رہے)

در پس ہر گریہ آخر خندہ ایست   مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

(ہر رونے کے بعد خوشی کا مقام آتا ہے جو آدمی سب سے بعد میں آتا ہے وہ مبارک بندہ ہوتا ہے)

اور اگر رونا نہ آوے تو اس پر رونا چاہیئے کہ رونا نہیں آتا ایک بزرگ بہت رویا کرتے تھے۔ کسی نے کہا حضرت اتنا نہ روئیے آنکھیں جاتی رہیں گی انہوں نے کیا خوب جواب دیا ہے۔

زاہدے را گفت یارے در عمل   کم گری تا چشم را نامد خلل

(ایک دوست نے زاہد سے کہا کہ اپنے اعمال کے واسطے کم رو، تا کہ تیری آنکھیں خراب نہ ہو جائیں)

گفت زاہد از دو بیروں نیست حال   چشم بیند یا نہ بیند آں جمال

(زاہد نے کہا کہ ان دو باتوں کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہو گی خواہ میری آنکھ اس جمال کو دیکھے یا نہ دیکھے)

گر بہ بیند نور حق را چہ غم ست   در وصال حق دو دیدہ کے کم ست

(اگر آنکھ ٹھیک ہے اور نور حق کو دیکھتی ہے تو کوئی غم نہیں اور اگر آنکھ خراب ہو گئی اور حق مل گیا تو بھی کیا کروں)

ور نہ بیند نور حق را گو برو　　　این چنیں چشم شقی گو کور شو

(اور اگر نور حق کو نہیں دیکھتی ہے تو اس سے کہدو کہ جا چلی جا۔ اس شقی آنکھ سے کہہ دو کہ اندھی ہو جائے)

اگر کوئی کہے کہ وصل میں رونا کیسا اس کا جواب عارف شیرازی نے دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

بلبلے برگ گلے خوش رنگ در منقار داشت
واندراں برگ و نوا خوش نالہائے زار داشت

(ایک بلبل اپنی چونچ میں ایک خوبصورت پھول کی پتی لیے ہوئے تھی اور زار و قطار رو رہی تھی)

گفتمش در عین وصل ایں نالہ و فریاد چیست
گفت مارا جلوۂ معشوق در ایں کار داشت

(میں نے پوچھا کہ عین وصل میں یہ نالۂ و فریاد کیا ہے اس نے جواب دیا کہ ہمیں جلوۂ معشوق نے اس کام میں ڈال رکھا ہے)

تجلی محبوب کا مقتضی ہی یہ ہے کہ سوختہ و گداختہ رہے حق تعالیٰ کے یہاں اس رونے کی بہت بڑی قدر ہے جو قطرہ آنکھ سے نکلا دوزخ کی آگ اور وہ قطرہ جمع نہ ہوگا اور نار جہنم کو بجھانے کے لے کافی ہو جائے گا اور دوزخ کہے گی۔ جزیا مومن فان نورک اطفاء ناری یعنی اے مومن جلدی چل اس لیے کہ تیرے نور نے میری آگ کو بجھادیا اور یہ آنسو عام ہے خواہ آنکھ سے ہو یا دل سے ہو چنانچہ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مجلس وعظ میں کچھ

لوگ اپنے کپڑے پھاڑنے لگے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ ان سے کہدو کہ دل کو ٹکڑے ٹکڑے کرو کپڑوں کے پھاڑنے سے کیا ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کی نظر تو قلوب[۱] پر ہے۔ بلکہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ جب زیادہ اثر ہوتا ہے تو وہ سب گھٹ کر قلب[۲] ہی پر جمع ہوجاتا ہے اور آنکھ سے ایک قطرہ بھی نہیں نکلتا۔ پس جبکہ دل پر اثر ہو تو آنسو نہ نکلنا مضر نہیں۔

بزرگوں کی مختلف شانیں

حضرت جنیدؒ بیٹھے ہوئے تھے ایک صوفی پر حالت طاری ہوئی، حضرت جنیدؒ سے لوگوں نے کہا کہ آپ پر کبھی اثر نہیں ہوتا حضرت جنیدؒ نے فرمایا **وتری الجبال تحسبها جامدة وهی تمر مرالسحاب**[۳] یعنی دیکھے گا تو اے مخاطب پہاڑوں کو کہ گمان کرے گا ان کو ٹھیرے ہوئے حالانکہ وہ ابر کی طرح چلتے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ غایت اثر[۴] سے ہمارا یہ حال ہے کہ ہم کو تم ٹھیرا ہوا جانتے ہو حالانکہ ہم بے حد اثر لیے ہوئے ہیں۔

ہمارے مشائخ میں سے حضرت شیخ عبدالحق ردولویؒ فرماتے ہیں کہ منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ یاد آمد۔ اینجا مردانند کہ دریا فرو برند آروغ نہ زنند۔ (منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ میں چیخ پڑا یہاں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اپنے اندر دریا انڈیل لیتے ہیں اور ڈکار نہیں لیتے)

بات یہ ہے کہ بزرگوں کی شانیں مختلف ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک اور بزرگ رونے کے بارے میں فرماتے ہیں۔

یارب کہ چشمہ ایست محبت کہ من ازاں　　　یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

---

(۱) دلوں پر ہے (۲) دل (۳) سورہ نمل آیت ۸۸ (۴) بہت زیادہ متاثر ہونے سے

(اے خدا یہ محبت کون سا چشمہ ہے کہ جس سے میں نے ایک قطرہ پیا ہے اور دریا رو کر بہا دیے ہیں)

اسی اختلاف اور رنگا رنگی شان و حال کی نسبت یہ شعر ہے۔

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خندان ست   بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالان ست

(پھول سے تو نے کیا کہہ دیا ہے کہ ہنس رہا ہے اور بلبل سے کیا فرمادیا ہے کہ رو رہی ہے)

غرض قرآن شریف پڑھنے کے وقت حق تعالیٰ کے خوف یا شوق سے آنکھ سے یا دل سے رونا بڑی نعمت اور علامت اہل ایمان کی ہے لیکن یہ جب ہی حاصل ہوتا ہے کہ قرآن کو بتدبر[1] پڑھا جاوے۔ اور اگر ڈاک گاڑی بلکہ اسپیشل کی طرح پڑھا اور راستہ کے باغ و بہار کی وہ کیا سیر کرے گا ایک حق تو قرآن کا یہ تھا۔

قرآن پاک کو ترتیل سے پڑھے

دوسرا حق وہ ہے جس کی نسبت ارشاد ہے ورتل القرآن ترتیلا[2] یعنی قرآن کو ٹھہرا کر پڑھنا دیکھو آپ اگر کسی حاکم سے ہمکلام ہوں[3] یا وہ حاکم تم سے باتیں کرے تو اول الفاظ دل میں سوچ لوگے پھر بہت ادب سے ان کو باہستگی زبان سے ادا کرو گے بخلاف اس کے کہ تم اپنے دوستوں سے یا نوکروں سے ہم کلام ہو ان کے ساتھ بے تکلف جلدی جلدی بولتے ہو۔ تو قرآن پڑھنا در حقیقت حق تعالیٰ سے باتیں کرنا ہے اور یا یوں کہو کہ حق تعالیٰ تمہاری زبان سے باتیں کرتے ہیں غرض جو کچھ بھی ہو دونوں امر ایسے ہیں کہ مقتضی ہیں غایت ادب کو کسی شاعر نے کہا ہے۔

---

(۱) غور سے پڑھا جائے (۲) سورہ مزمل آیت ۴ (۳) کسی حاکم سے باتیں کریں

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف　　گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف

(اگر میرا نصیب مدد کر اس کا دامن میرے ہاتھ میں آجائے تو وہ کھینچ لے تو خوشی کی بات ہے اور اگر میں کھینچتا ہوں تو بھی باعث شرف ہے)

اگر تم باتیں کرتے ہو تو ظاہر ہے کہ ادنیٰ حاکم سے ساتھ جب وقار سے بولتے ہو تو احکم الحاکمین[۱] اور حاکم حقیقی سے تو نہایت ادب اور وقار سے باتیں کرنا چاہیے۔ اور اگر وہ تمہاری زبان سے باتیں کرتے ہیں تب تو اور بھی طمانیت[۲] سے پڑھنا چاہیے۔

تلاوت قرآن کے وقت کیا تصور کرے

اور شاید یہ بات تمہاری سمجھ میں اچھی طرح نہ آئی ہو اس لیے میں اس کی بقدر ضرورت شرح کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ آدمی کے تمام افعال کے خالق اللہ تعالیٰ[۳] ہیں، پس کلام اور چلنا پھرنا جو کچھ یہ کرتا ہے خالق ان افعال کے اللہ تعالیٰ ہیں اور کاسب بندہ[۴] ہے اتنا تو ظاہر ہے مگر اس میں جب غایت غلبۂ فنا سے عبد کی طرف نسبت مستحضر نہ رہے اس وقت استحضار نسبت مع اللہ سے گویا وہ فعل حکماً حق تعالیٰ کا ہوگا[۵] پس جس وقت یہ قرآن پڑھے گا تو گویا اللہ تعالیٰ کلام

---

(۱) سب حاکموں کے حاکم (۲) اطمینان سے (۳) انسان کے تمام افعال کو پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں (۴) ان افعال کو کرنے والا بندہ ہے (۵) انسان جو بھی کام پڑھنا لکھنا وغیرہ کرتا ہے اس کی دو حیثیتیں ہیں ایک اس فعل کا پیدا ہونا دوسرے اختیار کرنا، پیدا کرنا فعل اللہ کا ہے اختیار کرنا فعل بندے کا ہے جب انسان پر فنائیت کا غلبہ ہو تو اپنے فعل کو لاشیئ محض سمجھتا ہے اور اس کی اپنے فعل سے نظر ہٹ کر صرف اللہ کے فعل خلق کی طرف ہو جاتی ہے اور یوں خیال کرتا ہے کہ میرے منہ سے جو آواز نکل رہی ہے یہ بھی اللہ کا فعل ہے چاہے تو بند کر دے گویا یہ میری آواز نہیں بلکہ اللہ کی آواز ہے اور میرے منہ کو وہی نسبت ہے جو ایک باجہ کو بجانے والے سے ہے جب چاہے وہ اس آواز کو بند کر دے گویا اس فعل کی جو نسبت "خلق" اللہ کی طرف تھی اس کو ذہن میں حاضر کیا اور اپنی طرف نسبت کسب کی نفی کی تو گویا یہ فعل حکماً اللہ تعالیٰ ہی کا کہلایا۔ جس کی مزید شرح حضرت خود فرما رہے ہیں (انیس)

فرمار ہے ہیں اور اس کا ظہور اس کی زبان سے ہورہا ہے جیسے شجرہ[1] موسیٰ سے کلام اللہ کا ظہور ہوا تھا پس اس کی زبان بمنزلہ ایک باجہ کے ہوئی پس باجہ بجانے والے کے ذمہ ہے کہ وہ گت[2] ایسی لگادے کہ سچ مچ گانے والا ہے اس کی آواز کے ساتھ ملادے پس قرآن شریف ایسا پڑھو کہ جو گویا حق تعالیٰ کے تکلم کے موافق[3] اور اس لیے ان کی خوشنودی کا سبب ہو۔ میں نے کئی دوستوں کو یہ تصور بتلایا ہے اور یہ الہامی ہے کہ جب کلام اللہ پڑھے تو یوں سمجھے کہ حق تعالیٰ پڑھ رہے ہیں اور میرے بدن سے مثل باجہ کے آواز نکل رہی ہے۔ اپنی آواز کی طرف توجہ اس حیثیت سے کرے کہ یہ مظہر ہے کلام قدیم باری تعالیٰ[4] کا اور جس قدر ہوسکے اس تصور کو بڑھائے۔ پھر دیکھیے قرآن شریف میں کیا لطف آتا ہے۔ چنانچہ جس جس نے اس پر عمل کیا بہت کامیابی ہوئی۔ حاصل یہ ہے کہ ترتیل سے قرآن پڑھو۔

قرآن کا سیکھنا فرض ہے

بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ قرآن کو صحیح کرسکتے ہیں لیکن نہیں کرتے۔ بریلی میں ایک طالب علم تھے وہ من الجنۃ والناس کو من الجنات والنس پڑھا کرتے تھے۔ غضب کی بات ہے کہ زواہد ثلثہ اور صدرا و شمس بازغہ[5] کا تو ایک حرف بھی نہ چھوٹے اور قرآن کی ایک سطر بھی درست کرکے نہ پڑھیں۔ اور عذر یہ کرتے ہیں کہ ہم کو اب کیا آوے گا بڈھے طوطے بھی کہیں پڑھتے ہیں۔ صاحبو تمہاری

---

(۱) کوہ طور پر وہ درخت جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا (۲) لے ایسی لگائے (۳) اللہ کی باتیں کرنے کے موافق ہو (۴) اللہ تعالیٰ کے اس ازلی کلام کے ظاہر ہونے کا ذریعہ ہے (۵) منطق و فلسفہ کی کتابوں کے نام ہیں

رائے کا اعتبار نہیں۔ قرآن کا سیکھنا فرض ہے اس کا آجانا فرض نہیں تم کوشش تو کرو جب واقف کار قاری یہ کہدیں کہ تم کو نہ آوے گا تو تم فرض ادا کر چکے ہو اس کے بعد چھوڑ دینا۔

چونکہ برمیخت بہ بندد بستہ باش　　　چوں کشاید چابک و برجستہ باش

(جب تجھے میخ پر باندھ دیں تو بندھا رہ اور جب کھول دیں تو کود کے بھاگ جا)

یعنی جب تم کو کسی کھونٹے سے وہ باندھیں تو بندھے رہو اور جب کھولیں تو چالاک رہو اور کودو لیکن سیکھنے سے پہلے تو ہر ایک کو چاہئیے کہ وہ سیکھے اور کوشش کرے جب ایک دو ہفتہ کے بعد استاد فتویٰ دیدے کہ تم کو نہ آوے گا پھر نہ سیکھنا۔ اس وقت نہ سیکھنے سے تم کو گناہ نہ ہوگا اور صاحبو میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ سب حیلے اور عذر ہیں کہ ہم کو نہ آوے گا واللہ اگر ابھی گورنمنٹ کی طرف سے حکم ہو جائے کہ سب سیکھو ورنہ سزا ہوگی۔ یا یہ حکم ہو جائے کہ فی حرف صحیح ہونے پر پانچ روپے ملیں گے تو ابھی سب سیکھ لیں اور تمام عذر جاتے رہیں۔ محنت عجیب شے ہے۔ جانوروں پر محنت کرتے ہیں وہ سدھ جاتے ہیں تم تو آدمی ہو تم کو نہ آنے کے کیا معنیٰ[1]۔

سیکھنے کے بعد بھی تلفظ صحیح نہ ہو تو مواخذہ نہیں

اور اگر بالفرض اگر بعد محنت اور کوشش کے تم کو نہ آوے اور ناکامی ہو تو یہ ناکامی کامیابی سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ یہ ناکامیابی حق تعالیٰ کی طرف سے ہوگی۔

گر مرادت را مذاق شکر است　　　بے مرادی نے مراد دلبر است

---

(۱)، اگر دو حرف روز کسی قاری سے درست کر لیے جائیں تو کل ۱۴ یوم میں سب الفاظ کی درستگی ہو سکتی ہے اس لیے کہ کل حروف ۲۸ ہیں

(اگر تیری مراد پوری ہوجاتی ہے اور تجھے شکر کی عادت ہے تو بے مرادی بھی اچھی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی پسند ہے)

سیکھنے سے پہلے کی غلطی یہ تو تمہاری غلطی ہے اور اگر سیکھ کر اور کوشش کر کے نا امید ہوجاؤ گے تو غلط اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی ہوگی ایسی غلطی پر ہزاروں صحت قربان ہیں جیسے کوئی بزرگ فرماتے ہیں۔ ع

براشہد تو خندہ زند اسہد بلال (بلال کا غلط تلفظ آپ کے صحیح تلفظ سے کہیں بہتر ہے)

بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ان کی غلطیاں ہی پسند ہیں بشرطیکہ ان کے اختیار کو اس میں دخل نہ ہو پس ایسے غلط خواں بہت سے صحیح خوانوں سے بھی بڑھ کر ہوں گے۔

شبان موسیٰ کا قصہ

مثنوی شریف میں حکایت ہے کہ موسیٰ ؑ کا ایک چرواہے پر گذر ہوا کہ وہ کہتا تھا۔

تا کجائی تا شوم من چاکرت   چارقت دوزم کنم شانہ سرت

(یعنی تو کہاں ہے تا کہ میں تیرا چاکر ہوں تیری جوتیاں سیئوں تیرے سر میں کنگھی کروں)

جامہ ات دوزم سپشہائے کشم   شیر پیشت آورم اے محتشم

(یعنی تیرا کپڑا سیئوں تیری جوئیں نکالوں۔ تیرے لیے بکریوں کا دودھ لاؤں)

در ترا بیماری آید زپیش   من ترا غمخوار باشم ہمچو خویش

(اور اگر تجھ کو کوئی بیماری پیش آوے تو میں تیرا غمخوار ہوں گا اپنے کی طرح)

دستک بوسم بمالم پائکت　　　وقت خواب آید بروبم جائکت

(تیری دست بوسی کروں گا۔ تیرے پاؤں سہلاؤں گا۔ سونے کا وقت آوے گا تو تیری جگہ صاف کروں گا)

گر بہ بینم خانہ ات رامن دوام　　　روغن و شیرت بیارم صبح و شام

(اگر میں تیرا گھر دیکھ لوں تو تیرے واسطے دودھ و گھی صبح و شام ہمیشہ لاؤں گا)

زیں نمط بیہودہ میگفت آن شباں　　　گفت موسیٰ علیہ السلام باکیستت اے فلاں

(اس طرز سے وہ چرواہا بیہودہ بکتا تھا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ باتیں تو کس سے کر رہا ہے)

گفت با آنکس کہ مارا آفرید　　　ایں زمین و چرخ ازو آمد پدید

(کہا میں اس سے کہہ رہا ہوں کہ جس نے ہم کو پیدا کیا ہے یہ زمین اور فلک اس سے ظاہر ہوئے ہیں)

گفت موسیٰ علیہ السلام ہائے خیرہ سرشدی　　　خود مسلمان ناشدہ کافر شدی

(موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہائے تو تو تباہ ہو گیا مسلمان نہیں رہا کافر ہو گیا)

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اس کو بہت دھمکایا اور سمجھایا کہ حق تعالیٰ ان سب حاجات سے پاک ہے اس کے بعد وہ چرواہا کہتا ہے

گفت اے موسیٰ علیہ السلام دہانم دوختی　　　وز پشیمانی تو جانم سوختی

(کہا اے موسیٰ علیہ السلام آپ نے تو میرا منہ سی دیا اور ندامت اور پشیمانی سے میری جان پھونکدی[1] اس کے بعد کپڑے پھاڑ کر جنگل کو چلدیا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی چنانچہ مولانا فرماتے ہیں۔

وحی آمد سوئے موسیٰ علیہ السلام از خدا　　　بندہ مارا چرا کردی جدا

---

(۱) جلادی

(یعنی موسیٰ علیہ السلام کی طرف خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ ہمارے بندہ کو آپ نے جدا کیوں کردیا)

تو برائے وصل کردن آمدی　　　نے برائے فصل کردن آمدی

(یعنی آپ ہم سے ملانے کے لیے آئے ہیں نہ کہ جدائی ڈالنے کے لیے)

موسیا آداب داناں دیگر اند　　　سوختہ جاں وروداناں دیگر اند

(اے موسیٰ علیہ السلام عارفین کے آداب اور ہیں اور سوختہ جان و دل کے آداب اور ہیں)

دیکھیے شبان موسیٰ علیہ السلام باوجودیکہ غلطی کر رہا تھا مگر چونکہ دل محبت و اخلاص سے لبریز لے ہوئے تھا اس لیے اس کی وہ غلطی اور بے ادبی ہی پسند آئی اسی طرح سے تمہاری غلطیاں مشق کرنے سے بھی نہ گئیں تو شبان موسیٰ علیہ السلام تو بن جاؤ گے اور اگر غلطیاں جاتی رہیں تو وزیر موسیٰ علیہ السلام ہو گے بلکہ وزیر محمد ﷺ ہو گے اور یہ مت کہو کہ ہم تو گنوار ہیں ہماری زبان موٹی ہے بعضے گنوار بھی محنت سے عالم ہو گئے ہیں۔

قرآن سیکھنے کے لیے محنت ضروری ہے

حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں ایک گوجر آئے ان کی زبان سے الف بھی درست نہ نکلتا تھا الف کو الف بفتحہ لام کہتے تھے اور ایک وقت وہ آیا کہ حدیث کا درس دیتے تھے۔ نا امید نہ ہونا چاہیے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست　　　با کریماں کارہا دشوار نیست

(تو یہ بات مت کہہ کہ ہماری اس بادشاہ تک پہنچ نہیں ہے کیونکہ کریموں کے ساتھ کام دشوار نہیں ہوتا)

اور یہ یاد رکھو کہ بلا محنت و مشقت کچھ نہیں ہوتا اور شاذ و نادر[1] کا اعتبار نہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ان پڑھ تھے ایک روز جو صبح کو اٹھے تو اچھے خاصے عالم تھے چنانچہ انہوں نے عربی میں خطبہ طویل پڑھا جس کی ابتداء یہ تھی **الحمدللہ الذی امسیت کرریا واصبحت بفضلا عربیا**[2] ان پر ایک شب ہی میں خدا کا فضل ہو گیا لیکن ایسے قصے شاذ و نادر ہوتے ہیں جس نے پایا ہے محنت مشقت ہی سے پایا ہے اور محنت سے مل جانا یہ بھی بڑا فضل ہے لیکن یہاں تو طلب ہی نہیں ورنہ۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد
اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

(ایسا کون سا عاشق ہے کہ جس کے حال پر اس کے محبوب نے نظر نہ کی ہو، اے شخص تیرے پاس درد نہیں ہے ورنہ طبیب موجود ہے)

ہمارے اندر در حقیقت طلب نہیں ورنہ ان کے یہاں تو ناکامی بھی کامیابی ہے افسوس اتنی عطا اور کوئی لینے والا نہیں ایک ہفتہ بھی تو کوئی قرآن کی مشق نہیں کر لیتا۔ اگر ابھی گورنمنٹ کا حکم آوے کہ بقدر ضرورت انگریزی سیکھو ورنہ برخواست کر دیے جاؤ گے تو سب ملازمین ابھی انگریزی داں بن جائیں گے اگر اللہ میاں کے یہاں بھی یہی حکم ہوتا کہ قرآن صحیح کرو ورنہ روٹی بند ہو جائے گی تو ابھی سب کے قرآن صحیح ہو جاتے اور حیلے اور بہانے کرتے ہیں وہ سب رہ جاتے۔ لیکن حق تعالیٰ کی تو وہ شان ہے کہ سب کچھ دیکھتے ہیں اور دو وقت روٹی دیتے ہیں۔

خدائے راست مسلم بزرگواری و حلم　　　کہ جرم بیند و ناں برقرار می دارد

---

(۱) کبھی کبھار (۲) تمام تعریفیں اس اللہ رب العزت کے لیے ہیں کہ جب میں شام کو سویا تو جاہل تھا اور صبح اٹھا تو اس کے فضل سے عربی پر قادر تھا

(اللہ تعالیٰ کی بزرگواری اور بردباری مسلم ہے کہ جرم دیکھتا ہے اور رزق برقرار رکھتا ہے)

حاصل یہ ہے کہ قرآن کا حق یہ ہے کہ قرآن کو صحیح کرنا چاہیئے۔

قرآن خوش آوازی سے اور مناسب مقدار میں پڑھے

تیسرا حق یہ ہے کہ ایسی طرح نہ پڑھو کہ جی گھبراوے اور لوگ اکتا جاویں یعنی بہت زیادہ نہ پڑھو اور نہ بہت کم پڑھو اس سے بھی بعض اوقات دل تنگ ہوتا ہے اور زیادہ سننے کا اشتیاق ہوتا ہے اور خوش الحانی سے پڑھو۔

قرآن سنا کر پیسے لینا جائز نہیں

چوتھا حق یہ ہے کہ قرآن کی تجارت نہ کرو۔ اس کو سن کر لوگ گھبرائے ہوں گے کہ کیا قرآن کی تجارت بھی ناجائز ہے صاحبو! مکتوب قرآن کی تجارت کو میں نہیں کہتا وہ تو جائز ہے میں ملفوظ قرآن کی تجارت کو ناجائز کہتا ہوں۔ بعض حفاظ روپیہ ٹھیرا کر پڑھتے ہیں کہ دس روپیہ لیں گے تو پڑھیں گے ایسے حفاظ نے قرآن کی قدر کچھ نہ سمجھی قرآن تو وہ شے ہے اور اس کی قیمت یہ ہے۔

ہر دو عالم قیمت خود گفتۂ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

(تو نے اپنی قیمت دونوں عالم میں بتائی ہے اپنے دام اور بڑھا کر تو اب بھی سستا ہے)

قرآن پڑھ کر کچھ لینا ناجائز ہونے کے علاوہ بہت ہی کم ہمتی کی بات ہے۔ لکھنؤ میں ایک بزرگ تھے، کہیں سفر میں تھے چوروں نے ان کو لوٹ لیا صرف ایک لنگی ان کے بدن پر رہ گئی کسی مسجد میں آئے قرآن شریف بے انتہا عجیب

پڑھتے تھے ایک رئیس کو خبر ہوئی کہ ایک شخص آئے ہیں اور اس حالت میں ہیں۔ قرآن بہت اچھا پڑھتے ہیں۔ ان کو رحم آیا جوڑے اور نقد روپیہ اور کھانا ہمراہ لائے۔ اور ان سب کو ایک طرف رکھ دیا لیکن تھے بے عقل اور تمیز نہ تھی۔ بزرگوں کے صحبت یافتہ نہ تھے آکر بیٹھے اور کہا کہ حضرت میری درخواست ہے کہ آپ مجھے کچھ قرآن سنائیے انہوں نے قرآن شریف سنایا اس نے قرآن سن کر وہ سب سامان پیش کیا انہوں نے فرمایا کہ بیشک اس وقت مجھ کو حاجت ہے اور میں ضرور لے لیتا لیکن اس وقت تو مجھ کو آیت لا تشتروا بایاتی ثمنا قلیلاً اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اگر آپ پہلے دیتے تو لے لیتا اب تو میں ہرگز نہ لوں گا۔ سبحان اللہ کیسے مخلص تھے۔

مولانا اسماعیل شہید کا خلوص

ایک اور خلوص کی حکایت یاد آئی مولانا اسماعیل صاحب شہیدؒ نے ایک مجمع میں وعظ فرمایا۔ وعظ فرما کر نکل رہے تھے کہ ایک شخص ملا اس نے عرض کیا کہ حضرت میں نے وعظ سنا ہی نہیں فرمایا اچھا پھر کہدوں گا سنو۔ چنانچہ پھر اکیلے سامنے وہی وعظ کہہ دیا اللہ اکبر کس قدر خلوص ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات جو کچھ کرتے تھے محض اللہ ہی کے واسطے کرتے تھے۔ اس میں نفس کی آمیزش نہ ہوتی تھی ہم تو اپنی کہتے ہیں کہ ہم سے اگر کوئی اس طرح درخواست کرے ہم تو پھر کبھی نہ کہیں بلکہ اگر مجمع کم ہو جب بھی دل نہیں لگتا۔

قرآن کے مقابلے میں ہفت اقلیم کی دولت بھی گرد ہے

الغرض ان بزرگ نے وہ سامان باوجود اصرار کے نہ لیا یہ لوگ تھے امراء اور

دولتمند جن کی نظروں میں ہفت اقلیم کی سلطنت بھی گرد تھی اور گرد کیوں نہ ہو جس کے پاس حق تعالیٰ کی دی ہوئی اتنی بڑی دولت ہو وہ سلطنت کی کیا قدر کرے۔ پس اے حفاظ آپ اپنی قدر کیجیے اور دس دس پندرہ پندرہ روپیہ پر رال نہ ٹپکایئے۔ بڑا افسوس ہے کہ قرآن کو بیچا بھی تو کتنے میں دس روپیہ میں۔ مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری بڑے ظریف تھے۔ ایک مرتبہ آپ شیعوں کی مجلس میں پہنچے اور فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ رحم کرے حضرت یزید پر۔ اللہ تعالیٰ بخشے شمر ذی الجوشن کو، بڑے عالی ہمت تھے۔ شیعہ سن کر کہنے لگے کہ حضرت توبہ کیجیے کن کافروں کی آپ مدح کر رہے ہیں کہنے لگے کہ بھائی کچھ ہو مگر تھے بڑے عالی ہمت، ایمان انہوں نے بیچا تو مگر ملک شام کی سلطنت کے بدلے۔ اب تو کم ہمت بھی ہیں اور بے ایمان بھی کہ آدھ آدھ سیر حلوے پر ایمان بیچتے ہیں۔ شیعہ سن کر بہت کچے ہوئے۔ ایک عربی کی مثل مشہور ہے۔ ان سرقت فاسرق الدرة و ان زنبت فاذن بالحرة[1]۔ قاضی امیر احمد صاحب مرحوم تھانوی جلال آباد میں امام عیدین تھے۔ ایک مرتبہ عید کی نماز کے بعد ایک خانصاحب نے پانچ روپیہ نذر پیش کیے۔ قاضی صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ آپ اپنے لائق دیتے ہیں یا میرے لائق اگر آپ اپنے لائق دیتے ہیں تو آپ کی لیاقت اس سے بہت زیادہ ہے اور اگر میرے لائق آپ دیتے ہیں تو میری لیاقت تو اتنی بھی نہیں ور واپس فرمادیے غرض عوض بھی لیا تو اتنا کم، اے حفاظ تم تو اللہ کے واسطے پڑھو اور اپنے ثواب کو برباد نہ کرو۔

---

(۱) اگر چوری ہی کرنی ہے تو نادر موتی چراؤ اور اگر زنا کرنا ہی ہے تو کسی آزاد سے کرو

تروایح میں قاری اور سامع دونوں کو پیسے لینا ناجائز ہے

ایک مسئلہ اور ہے اس میں مجھ سے غلطی ہو چکی ہے وہ یہ ہے کہ میں سمجھا کرتا تھا کہ سامع کو روپیہ لینا جائز ہے میں اس کو تعلیم پر قیاس کیا کرتا تھا لیکن پھر سمجھ میں آیا کہ سماعت کو تعلیم میں داخل کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ تعلیم سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور سامع کے بتلانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور نیز بھولے ہوئے کو بتلانا یہ نماز کی اصلاح ہے اور اصلاح نماز عبادت ہے۔ اس لیے قاری کو جائز ہے اور نہ سامع کو۔ قواعد کلیہ سے یہ دونوں فتوے دیے ہیں۔ اگر کسی کو اس کے خلاف جزئیہ معلوم ہو تو میں اس سے بھی رجوع کر لوں گا۔ علاوہ عدم جواز کے میں نے یہ دیکھا ہے کہ پڑھنے پر لینے سے حرص پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر جائز بھی ہوتا اس مرض سے بچنے کے لیے بھی اس سے پرہیز ہی بہتر تھا اور تعلیم قرآن پر جو فقہا نے فتویٰ دیدیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس پر لینا ناجائز ہو تو تعلیم قرآن گم ہو جائے اور اس کا باقی رکھنا ضروری ہے۔ اور تراویح میں اگر قرآن نہ سناویں تو کسی ضروری امر میں خلل نہیں پڑتا۔ بعض لوگ تاویل کرتے ہیں کہ اگر روپیہ نہ دیں گے تو تروایح کا ترک لازم آوے گا۔ یہ قیاس صحیح نہیں تراویح ترک نہ ہوں گی بلکہ ختم قرآن چھوٹ جاوے گا اور وہ ضروری نہیں۔ بعض یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے واسطے پڑھیں گے نماز اللہ کے واسطے دیدیجو۔ صاحبو یہ نرے الفاظ ہی ہیں مطلب صاف یہی ہوتا ہے کہ پڑھنے کی وجہ سے لیتے ہیں یہ نیت نہیں ہوتی کہ اللہ کے لیے دونوں کام ہوں گے بلکہ یہ محض الفاظ اصطلاحی ہو گئے ہیں یہ الفاظ بول کر ان کے معنیٰ موضوع[1] لہ مراد نہیں لیتے بلکہ اجارہ[2] ہی مراد لیتے ہیں جیسے نامکرود

---

(۱) یہ الفاظ بول کر وہ معنی مراد نہیں ہوتے جن کے لیے یہ الفاظ وضع کیے گئے ہیں (۲) کرایہ کا معاملہ یعنی کہنا مراد ہوتا ہے کہ ہم سنائیں گے اس کے عوض تم رقم دینا

بول کر مکروہ اور مخالص سے خالص مراد لیتے ہیں اور علامت اس کی یہ ہے کہ اگر اس کہنے کے بعد حافظ جی کو یہ معلوم ہوجاوے کہ یہ لوگ کچھ نہ دیں گے تو اسی وقت بھاگ جاویں گے یا اگر ختم پر کچھ نہ دیں تو پھر دیکھیے کیا مزہ آتا ہے خوب لڑائی ہو یا حافظ جی اگر کچھ مہذب ہوئے تو لڑائی تو نہ ہوگی لیکن دل میں یہ ضرور سمجھیں گے کہ ان لوگوں نے حق تلفی کی غرض کہ کچھ بھی مت لو۔

تراویح میں ختم قرآن پر مٹھائی تقسیم کرنا ضروری نہیں

اور منجملہ منکرات کے مٹھائی تقسیم کرنا ہے۔ اس کو لوگ چونکہ ضروری سمجھنے لگے ہیں اس لیے اس کو بھی چھوڑنا چاہیے۔ اگر تم کو قرآن شریف ختم ہونے کا شکریہ ادا کرنا ہے گھر جاکر اور مٹھائی منگا کر سب کے یہاں حصے لگا کر بھیجدو مسجد میں تقسیم نہ کرو۔ اور ایسے ہی خرچ کرنے والے ہو تو اناج[1] تقسیم کرو۔ روپیہ تقسیم کرو کوئی بکرا، گائے ذبح کرکے تقسیم کردو۔ مٹھائی ہونا فرض نہیں حضرت عمر فاروقؓ کی جب سورہ بقر ختم ہوئی تو انہوں نے ایک اونٹنی ذبح کی تھی۔ مسجد میں تقسیم کرنے سے بڑی بے لطفی اور مسجد کی بے ادبی ہوتی ہے اور بڑا شور و غل ہوتا ہے۔ لکھنؤ میں ایک ہمارے دوست تھے۔ وہ کبھی مجلس مولد کیا کرتے تھے مگر منکرات سے خالی۔ گو ہم مفاسد[2] عوام کے سبب اس کو بھی پسند نہیں کرتے۔ غرض وہ یہ عمل کرتے اور جس جس کو بلانا ہو فہرست کے ساتھ مٹھائی بھیج دیتے تھے اب جس کا جی چاہے آوے جس کا جی چاہے نہ آوے اور نیز اب جو کوئی آوے گا تو خلوص سے آوے گا۔ مٹھائی کے لالچ میں نہ آوے گا اور ختم قرآن کے

---

(۱) گندم وغیرہ (۲) ایسا میلاد جو گانے بجانے اور منکرات سے خالی ہو وہ بھی عوام کے فساد عقیدہ کیوجہ سے ناپسندیدہ ہے اور قابل ترک ہے

موقع پر بیس پچیس روپے کے پیسے غربا و مساکین کو تقسیم کردیتے اور پھر کچھ مٹھائی ہونا ضروری نہیں۔ ہم نے ایک مرتبہ اپنے ختم قرآن کے شکریہ میں کباب تقسیم کیے تھے اور تقسیم کا وقت بھی بدل دیا افطار کے وقت تقسیم کردیے۔ ایک قاری صاحب وہ گوشت روٹی کی دعوت کیا کرتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان مولویوں نے سب خرچ بند کردیے۔ صاحبو خرچ کو کون بند کرتا ہے میں نے تو بہت سی صورتیں خرچ کی بتلادی ہیں۔

تقسیم مٹھائی میں کیجانے والی کوتاہیاں

مٹھائی کو جو منع کیا جاتا ہے سو منکرات کی وجہ سے روکا جاتا ہے، منجملہ منکرات کے یہ بھی ہے کہ اس کا التزام ہوتا ہے[1] کہ کوئی آدمی محروم نہ جائے ورنہ بڑی بدنامی ہوگی۔ عرب کے لوگ خوب ہیں جہاں تک شی تقسیم ہوسکتی ہے کرتے ہیں۔ ورنہ کہدیتے ہیں کہ بس خلاص، وہاں اس کی پرواہ نہیں ہے کہ بدنامی ہوگی اور اس مٹھائی کی بدولت کیا ہوتا ہے کبھی ایک صاحب امام صاحب کے پاس آتے ہیں کہ حافظ جی کچھ عرض کرنا ہے آہستہ سے کہا کہ بازار آدمی گیا ہے مٹھائی کے لیے ذرا تمام تمام[2] کر پڑھیو۔ اب حافظ صاحب اور دنوں میں تو آدھ گھنٹہ میں دو پارہ پڑھتے تھے آج خوب کھینچ کھینچ کر اور آواز بنا بنا کر پڑھتے ہیں۔ جب دیکھا کہ آگیا پھر جلدی جلدی پڑھ کر ختم کردیا۔ ایک سب سے بڑھ کر خرابی یہ ہے کہ مٹھائی کے لیے چندہ ہوتا ہے اور وجیہہ آدمی وصول کرنے والے ہوتے ہیں جو اپنی وجاہت سے غرباء کو دبا کر وصول کرتے ہیں اگر کسی نے ۴ آنے دیے تو

---

(۱) انہی ممنوع باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ مٹھائی کی تقسیم میں اس کا بھی بہت اہتمام ہوتا ہے کہ کوئی محروم نہ رہے (۲) آہستہ آہستہ پڑھنا

کہتے ہیں میاں تم چار ہی آنے دیتے ہو تم سے تو ایک روپیہ لیں گے وہ بچارا شرما جاتا ہے جب اس مٹھائی کے اندر یہ خرابیاں ہیں تو بتلائیے کہاں تک صبر کیا جائے کیوں نہ روکا جائے۔

اگر بینم کہ نابیناو چاہ است　　　اگر خاموش بنشینم گناہ است

(اگر میں دیکھوں کہ سامنے ایک اندھا اور کنواں ہے اور اس پر اگر خاموش بیٹھوں تو گناہ ہے)

غرض یہ مٹھائی کیا ہے مجذوب کا گوٹا ہے جس کی وجہ سے بہت سے منکرات پیدا ہوتے ہیں۔

ایک مجذوب کی حکایت

ایک مجذوب صاحب برہنہ[1] رہا کرتے تھے۔ معتقدوں نے عرض کیا کہ حضور آپ ننگے برے معلوم ہوتے ہیں۔ کم از کم لنگوٹا باندھ لیجیے کہنے سننے سے انہوں نے لنگوٹا باندھ لیا۔ اب جو کچھ کھاتے پیتے چونکہ ہوش تو درست نہ تھے وہ لنگوٹے پر بھی گرجاتا اور وہ چکنا ہوجاتا اس کو چوہے کاٹنے لگے۔ چوہوں کو دفع[2] کرنے کے لیے ایک بلی پالی گئی اس نے یہ خرابی کی کہ جو کچھ شاہ صاحب کے لیے دودھ دہی رکھا ہوتا وہ کھاجاتی اس لیے حفاظت کے لیے ایک کتا رکھا گیا۔ کتا بھی کچھ نقصان کرنے لگا تو ان سب کی نگرانی کے لیے ایک آدمی رکھا گیا۔ وہ آدمی آوارہ سا تھا ادھر ادھر جاتا تھا۔ یہ تجویز ہوا کہ اس کا نکاح کردینا چاہیے۔ چنانچہ اس کا نکاح کردیا گیا اس کے کئی بچے ہوگئے۔ ایک روز مجذوب صاحب جو افاقہ کی حالت میں آئے تو دیکھا بلی ہے کتا ہے مرد اور عورت بہت بکھیڑا جمع ہے پوچھا کہ یہ کیا

(۱) ننگے (۲) بھگانے کے لیے

ہے۔ سارا قصہ سنایا مجذوب نے کہا کہ ابا یہ سب اس لنگوٹے کی وجہ سے ہوا۔ جاؤ ہم لنگوٹا نہیں رکھتے۔ اور یہ کہہ کر لنگوٹا کھول کر پھونک دیا تو صاحبو جس مٹھائی کی وجہ سے اس قدر منکرات لازم آئیں اس کو ترک کر دینا چاہئیے۔

ختم قرآن پر کیجانے والی ایک اور خرابی

ختم کے روز ایک اور خرابی ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس حافظ جی کا مصلا کیا ہوتا ہے پنساری کی دوکان ہوتی ہے کہیں اجوائن کی پڑیاں ہوتی ہیں کہیں سیاہ مرچیں کوئی ان صاحبوں سے پوچھے کہ ان حافظ صاحب نے قرآن تمہاری اجوائن کے لیے پڑھا تھا۔ یاد رکھو کہ اجوائن پر دم کرانا یہ دنیا کا کام ہے۔ دین کے کام کی غایت دنیا کو بنانا بہت نازیبا ہے۔

تعویذ پر اجرت لینے اور قراءات قرآن پر اجرت لینے میں فرق

اور تعویذ و نقش لکھنا اس کے حکم میں نہیں ہے کیونکہ وہ خود دنیا ہی کا کام ہے تو اس کی غایت دنیا ہونا مضائقہ نہیں وہ تو ایسا ہے جیسے حکیم جی کا نسخے لکھنا عبادت نہیں اس پر اگر اجرت بھی لے تو کچھ حرج نہیں۔ اور قراءات قرآن عبادت ہے اس کی غایت اور ثمرہ صرف آخرت میں ملے گا۔ اس کی صریح دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے اقرأوالقرآن ولاتاکلوا بہ یعنی قرآن پڑھو اور اس کے عوض میں کھاؤ نہیں۔ ایک حدیث یہ ہے اور ایک دوسری حدیث شریف میں ایک اور قصہ آیا ہے وہ یہ ہے کہ چند صحابہؓ سفر میں تھے ایک گاؤں میں گذر ہوا ان گاؤں والوں نے ان کو کھانا تک نہ کھلایا اتفاقاً وہاں ایک شخص کے سانپ نے کاٹ لیا ایک شخص ان کے پاس آیا اور پوچھا افیکم راق یعنی کیا تمہارے

میں کوئی منتر پڑھنے والا ہے۔ ایک صحابی تشریف لے گئے اور یہ کہا کہ ہم جب دم کریں گے جبکہ ہم کو سو بکریاں دو۔ انہوں نے وعدہ کرلیا۔ انہوں نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کردیا۔ سبحان اللہ ان حضرات کی کیا پاکیزہ زبان تھی فوراً شفا ہوگئی۔ ایسا ہوگیا جیسے رسی میں سے کھول دیتے ہیں۔ اس شخص نے حسب وعدہ سو بکریاں دیں۔ وہ لیکر اپنے ساتھیوں میں آئے۔ بعض نے کہا کہ لینا ان کا حلال ہے بعض نے کہا حرام۔ جب حضور ﷺ کے یہاں حاضر ہوئے تو اس کا استفتاء کیا گیا۔ فرمایا ان احق ما اخذ تم علیہ کتاب اللہ یعنی جس شے پر تم اجرت لیتے ہو اس میں سب سے احق کتاب اللہ ہے اور بلااندیشہ کھاؤ بلکہ میرا حصہ بھی لگاؤ۔ اب ظاہر اس حدیث میں اور حدیث سابق میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ لیکن فی الواقع کچھ بھی تعارض نہیں۔ اس قصہ میں تو قرآن کو جھاڑ پھونک کے طور پر پڑھا گیا ہے اور اس طور سے پڑھنا عبادت نہیں ہے اس لیے اس پر معاوضہ لینا جائز ہے۔ اور اقرؤ القرآن لاتاکلوا بہ میں قراءۃ قرآن سے مراد قراءۃ بطور عبادت ہے اس لیے اس پر معاوضہ لینا حرام اور دین کو دنیا سے بدلنا ہے اسی طرح اجوائن پر قرآن کو دم کرنا یہ دین کی غایت دنیا کو بنانا ہے اور بہت بے ادبی ہے اور قرآن کو اس کے مرتبہ سے گھٹانا ہے میں یہ تو نہیں کہتا کہ ناجائز ہے لیکن پیٹ بھر کر بے ادبی ہے۔

غایت قرآن

صاحبو! یہ قرآن تو وہ ہے جس کی نسبت ارشاد ہے ان تخلط لحمی و دمی و عظمی اے اللہ قرآن کو آپ میرے گوشت، خون، ہڈیوں میں خلط کردیجیے یعنی میرے تمام جسم کو قرآن سے متاثر کردیجیے یہ ہے قرآن کی غایت اگر کوئی کہے کہ یہ تو نیا مسئلہ ہے۔ صاحبو! یہ نیا نہیں۔ یہ پرانی بات ہے۔ اگر نئی ہے تو بتلاؤ یا

کسی تاریخ میں دکھلاؤ کہ صحابہؓ نے قرآن کو عبادتکے طور پر ختم کر کے اجوائن پر دم کیا ہو اس کے علاوہ اور بہت سے منکرات ہیں اس وقت اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ نماز کے حقوق اول بیان ہوچکے ہیں۔ یہ قرآن کے حقوق ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان حقوق کو پوری طرح ادا کرنا چاہیئے۔ جب حقوق ادا کیے جاویں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ مصالح اور حکمتیں کہ جن کے لیے یہ عبادتیں موضوع[1] ہوئی ان پر مرتب ہوں گی اور اگر حقوق ادا نہ کیے تو وہ خاصیتیں ظاہر نہ ہوں گی۔ مجھ کو بس اسی قدر بیان کرنا تھا۔ اس سے پہلے حقوق صوم بیان ہوچکے ہیں جو کہ فرض ہے اور یہ سنت کے حقوق ہوگئے۔ باقی ایک اور مضمون بیان کرنے والا تھا وہ یہ ہے کہ ایک خاصیت تو روزہ اور نماز کی ان کی صورت نوعیہ کے اعتبار سے ہے۔ اس میں تخصیص فرض اور سنت کی نہیں ہے دونوں کو عام ہے وہ تو بیان ہوگئی اور ایک خاصیت ان کی فرض اور سنت ہونے کے اعتبار سے ہے یعنی نماز اور روزہ فرض کی خاصیت جدا ہے اور نماز اور روزہ سنت کی خاصیت جدا اور یہ خواص قرب فرائض و قرب نوافل اصطلاح میں کہلاتے ہیں۔ لیکن چونکہ وقت نہیں رہا اس لیے اگر کسی موقع پر یاد رہا تو کیا عجب ہے کہ بیان ہوجائے ورنہ جس کی ضرورت تھی وہ مضمون بیان ہوگیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ توفیق عطا فرماویں۔ فقط

تمام شد

(۱) عبادتیں وضع کی گئیں ہیں